بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کی مشہور

تفسیر بیان القرآن

کی تسہیل اور اختصار بنام

تفسیر فہم قرآن

(پارہ ۱)

تالیف

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد (ایم بی بی ایس)

مفتی جامعہ مدنیہ لاہور

مجلس نشریات قرآن

۱۔کے۔ ۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد نمبر ۱

کراچی 74600

سُوْرَةُ الفَاتَحَة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِيْمِ ۙ﴿۲﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ﴿۳﴾ اِيَّاكَ نَعْبُدُ
وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ﴿۴﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِيْمَ ۙ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۶﴾

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں (جو ہے) پالنے والا سارے جہان کا، بے حد مہربان نہایت رحم والا، مالک روز جزا کا۔ تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔ بتا ہم کو راہ سیدھی، راہ ان لوگوں کی انعام کیا تو نے جن پر نہ (ان کی) غصہ کیا گیا جن پر اور نہ گمراہ (لوگوں کی)۔

تفسیر: (سب تعریفیں) عمدہ سے عمدہ اول سے آخر تک جو ہوئی ہیں اور جو ہوں گی (اللہ ہی کے لائق ہیں) کیونکہ ہر نعمت اور ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور عطا کرنے والا وہی ہے خواہ بلا واسطہ عطا فرمائے یا بواسطہ جیسے دھوپ کی وجہ سے اگر کسی کو حرارت یا روشنی حاصل ہوتی ہے تو وہ اصل میں سورج کا فیض ہے لیکن

خودسورج اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور پھر یہی نہیں بلکہ وہ تو ایسا ہے (جو) پیدا کرنے کے بعد (سارے عالم کی) خواہ وہ عالم جن وانس ہو، عالم حیوانات ہو، عالم نباتات ہو یا عالم جمادات ہو، عالم دنیا ہو یا عالم آخرت ہوسب کی (پرورش کرنے والا ہے) کہ ہر ہر فرد اور نوع کی درجہ بدرجہ تمام ضروریات پوری کر کے اس کو کمال تک پہنچاتا ہے تا کہ انسان ان میں غور وفکر بھی کر سکے اور ان سے نفع بھی اٹھا سکے اور اپنی غرض تخلیق یعنی عبادت کو پورا کر سکے جو کہ اللہ تعالیٰ کی انتہائی عظمت کو پیش نظر رکھ کر اس کے سامنے انتہائی درجے کی عاجزی وتذلل اختیار کرنے کو کہتے ہیں کہ آدمی اس کے سامنے اپنی جان، اپنے مال اور اپنی عزت سب کو پیش کر دے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ سارا نظام ربوبیت و پرورش اس لئے بنایا ہے کہ وہ (بے حد مہربان ہے) دنیا میں کافر و مسلم سب انسانوں کو اپنی عبادت گزاری کے اسباب دکھاتا ہے اور مہیا کرتا ہے۔ پھر جو لوگ اس کی عبادت گزاری کرتے ہیں کہ اس کو پہچانتے ہیں، اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے رسولوں کے ذریعے آئی ہوئی ہدایت پر عمل کرتے ہیں ان پر وہ آخرت میں بھی (نہایت رحم والا ہے) لیکن کون عبادت گزاری کرتا ہے اور کون نہیں اس کے علی الاعلان فیصلہ کے لئے اس نے ایک دن مقرر کر رکھا ہے اور وہ اس (جزا کے دن کا مالک ہے)۔ جب بندوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور مذکورہ صفات کو جان لیا اور یہ بھی جان لیا کہ ان کی غرض تخلیق اپنے رب کی عبادت ہے اور بندے سراپا عاجز ہیں جو دنیوی پرورش کی طرح روحانی پرورش میں بھی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں تو ان کو چاہئے کہ وہ اپنی احتیاج کو سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے یوں گزارش کریں کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنی غرض تخلیق کو پہچان لیا اور اس کے موافق (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور) نہ صرف اس پر قائم رہنے کے لئے بلکہ اپنے ہر کام میں (تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں) لہٰذا (ہم کو سیدھی راہ بتا) بھی اور اس پر قائم بھی رکھ اور وہ راہ ہے (ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا) یعنی فضل فرمایا جو کہ قرآن پاک کی آیت اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاء وَالصَّالِحِیْنَ کے مطابق انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں کہ (جن پر نہ تیرا غصہ ہوا) جیسا کہ یہود پر ہوا کیونکہ انہوں نے اللہ کے احکام جان لینے کے بعد حق سے روگردانی کی (اور نہ وہ گمراہ ہوئے) جیسا کہ نصاری گمراہ ہوئے کہ انہوں نے حق کی پوری تحقیق نہیں کی جب کہ راہ ہدایت چھوڑنے کی یہی دو وجہیں ہوتی ہیں۔

فائدہ:

استعانت یعنی کسی دوسرے سے مدد مانگنا اس کی مندرہ ذیل صورتیں ہیں:

1- ان کاموں میں مدد مانگنا جن کو پورا کرنا بندوں کی قدرت میں ہو۔ مثلاً یہ کہ میرا کپڑا سی دو یا میری گاڑی ٹھیک کر دو وغیرہ۔ ایسے کاموں میں ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے بھی مدد مانگنا اصل ہے کہ وہ اسباب کو ہمارے مطلوب کے موافق کر دیں۔

2- ان کاموں میں مدد مانگنا جن کو پورا کرنے کی قدرت بندوں میں نہیں ہوتی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت سے وہ ہو سکتے ہیں مثلاً کسی مریض کو شفا ہونا کسی کے لئے اولاد ہونا، رزق میں کشادگی ہونا قدرتی طور پر بارش ہونا وغیرہ۔ ایسے کاموں کے لئے صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگا جا سکتا ہے اور اسی سے مدد طلب کی جا سکتی ہے۔ ان امور میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی مخلوق سے مدد طلب کرنے کی صرف یہ صورت ہو سکتی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی درخواست کی جائے۔

مخلوق سے خواہ وہ کتنا ہی بڑا بزرگ ہو اگر خود اس کام کو پورا کرنے کی درخواست کی تو:

(i) اگر اس عقیدہ سے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرح وہ بھی مستقل طور پر یعنی اللہ تعالیٰ کی اجازت کا پابند ہوئے بغیر لوگوں کے کام پورا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ خواہ از خود یا اللہ تعالیٰ کی عطا سے تو یہ کفر و شرک ہے۔

(ii) اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ کام پورا کرنے کی قدرت دی ہے اگرچہ مستقل نہیں ہے اور ہر مرتبہ اللہ کی اجازت کا پابند ہے اور اللہ تعالیٰ چاہیں تو اس کو روک دیں۔ یہ فسقیہ شرک ہے جو اگرچہ کفر نہیں لیکن گمراہی ہے اور باعث عذاب ہے۔

(iii) اور اگر ایسا کوئی بدعقیدہ نہ ہو پھر بھی کسی مخلوق سے اس کا سوال کر بیٹھے مثلاً کسی ڈاکٹر سے کہے کہ مجھے ٹھیک کر دو یا مجھے تندرست کر دو تو اگرچہ اس طرح کہنا مناسب تو نہیں لیکن یہ کفر و گمراہی نہیں بلکہ عقیدہ کے صحیح ہوتے ہوئے یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی مراد یہ ہے کہ وہ ڈاکٹر جو خود ایک سبب کے درجہ میں ہے اپنا کام پورے اہتمام سے کرے۔

www.askfatwa.com

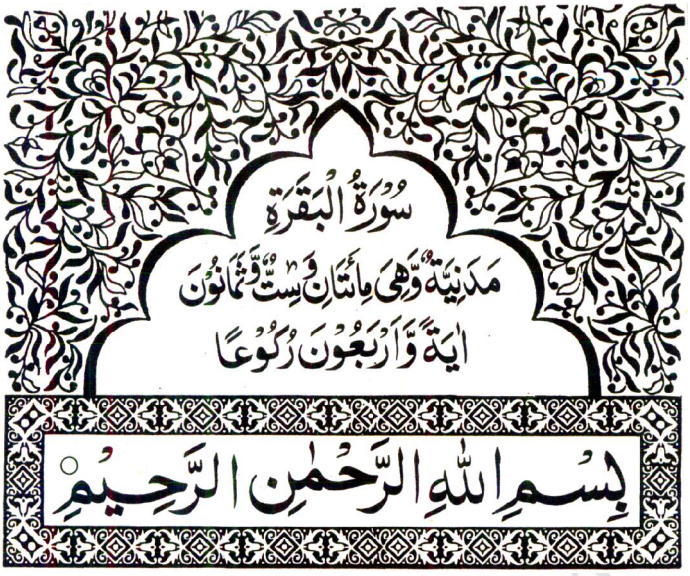

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا

ربط: سورہ فاتحہ سے سورت بقرہ کا ربط یہ ہے کہ اس میں راہ ہدایت کی درخواست کی گئی تھی اور اس میں اس درخواست کی منظوری ہے کہ یہ کتاب ہدایت ہے۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى

ترجمہ: یہ کتاب نہیں ہے کچھ شک اس میں۔ راہ بتانے والی ہے۔

تفسیر: آلٓمٓ O یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں۔ ان حروف کے معانی کی عام لوگوں کو اطلاع نہیں دی گئی۔ ہوسکتا ہے رسول اللہ ﷺ کو بتا دیئے گئے ہوں کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے امت کو اہتمام کے ساتھ وہی باتیں بتائی ہیں جن کے نہ جاننے سے دین میں کوئی حرج واقع ہوتا ہو۔ جب ان کے معانی ہمیں نہیں بتائے گئے تو معلوم ہوا کہ ان کو نہ جاننے سے ہمارے دین میں کوئی نقص اور حرج واقع نہیں ہوا اور ہمارے لئے ان حروف کے معنی جانے بغیر ان پر ایمان رکھنا کافی ہے۔ (یہ کتاب ایسی ہے جس) کے من جانب اللہ ہونے (میں کوئی شبہ نہیں) اگرچہ کوئی نافہم اس میں شبہ رکھتا ہو، کیونکہ یقینی بات کسی کے شبہ کرنے کے باوجود بھی حقیقت میں یقینی ہی رہتی ہے۔ اور فائدہ حاصل کرنے کے اعتبار سے (راہ بتانے والی ہے۔

ربط: یہ بتانے کے بعد کہ یہ کتاب ہدایت ہے آگے اس کے ماننے نہ ماننے والوں کی تین قسمیں بتاتے ہیں:

لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ
يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ﴿۳﴾
وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ
اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؕ﴿۴﴾
اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

پہلی قسم: دل و جان سے ماننے والے

ترجمہ: ڈرنے والوں کو، جو یقین رکھتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور اس میں سے جو روزی دی ہے ہم نے ان کو، خرچ کرتے ہیں، اور وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اس پر جو نازل کیا گیا تیری طرف اور اس پر جو نازل کیا گیا تجھ سے پہلے اور آخرت پر (بھی) وہ یقین رکھتے ہیں، وہی لوگ ہیں ہدایت پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ہے اور وہی ہیں کامیابی پانے والے۔

تفسیر: اگرچہ قرآن کتاب ہدایت والی ہے سب ہی انسانوں کے لئے لیکن قبول کرنے کے اعتبار سے یہ (ان لوگوں کے لیے) ہدایت ہے (جو) خدا سے ڈرنے والوں کی روش اختیار کر کے خود بھی (خدا سے ڈرتے ہیں) اور یہ وہ لوگ ہیں۔ (جو یقین رکھتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر) یعنی جو چیزیں ان کے حواس و عقل سے پوشیدہ ہیں صرف اللہ و رسول ﷺ کے فرمانے سے ان کو صحیح مان لیتے ہیں۔ غیب ان چیزوں کو بھی کہتے ہیں کہ جن کو معلوم کرنے کی کوئی حسی یا عقلی یا نقلی دلیل نہ ہو۔ ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے۔ یہاں یہ غیب مراد نہیں ہے کیونکہ یہاں جو چیزیں مراد ہیں مثلاً جنت، دوزخ اور فرشتے وغیرہ چیزوں کا علم تو نقلی دلیل یعنی اللہ اور اس کے رسول کے بتانے سے ہو گیا۔ (اور قائم رکھتے ہیں نماز کو) یعنی اس کو پابندی کے ساتھ اس کے وقت میں پورے شرائط و ارکان کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ (اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے) نیک کاموں میں (خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں اس) کتاب (پر بھی جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے اور ان) کتابوں (پر بھی جو آپ

سے پہلے اتاری جا چکی ہیں) مطلب یہ ہے کہ ان کا ایمان قرآن پر بھی ہے اور پہلی کتابوں پر بھی اور ایمان سچا ماننے کو کہتے ہیں عمل کرنا دوسری بات ہے، جتنی کتابیں اللہ نے پہلے انبیاء پر نازل فرمائی ہیں ان کو سچا ماننا فرض اور شرط ایمان ہے، یعنی یہ سمجھے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھیں وہ صحیح ہیں خودغرض لوگوں نے جو اس میں تبدیل وتحریف کی ہے وہ غلط ہے، رہ گیا عمل سو وہ صرف قرآن پر ہوگا، پہلی کتابیں سب منسوخ ہوگئیں، ان پر عمل جائز نہیں۔ (اور یہ لوگ پورے کامیاب ہیں) یعنی ایسے لوگوں کو دنیا میں تو یہ نعمت ملی کہ راہ حق ملی اور آخرت میں ہر طرح کی کامیابی ان کے لئے ہے۔

ربط: یہاں تک ان لوگوں کا ذکر تھا جو زبان اور دل سے قرآن اور دین کو مانتے ہیں۔ آگے دوسری قسم کے لوگوں کا بیان فرماتے ہیں جو نہ زبان سے مانتے تھے نہ دل سے۔ ایسے لوگ قرآن کی اصطلاح میں کافر کہلاتے ہیں۔ کافروں کی خصلتیں بیان فرماتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝٦ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝٧

ترجمہ: بیشک جو لوگ کافر ہو چکے برابر ہے ان کے حق میں خواہ ڈرائے تو ان کو یا نہ ڈرائے تو ان کو، وہ ایمان نہ لائیں گے، مہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر۔ اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

تفسیر: (بیشک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں برابر ہے ان کے حق میں خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا آپ ان کو نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہ لائیں گے)۔ یہ بات ان کافروں کے متعلق ہے جن کی نسبت خدا تعالیٰ کو معلوم ہے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوگا، عام کافر مراد نہیں کیونکہ ان میں بہت سے لوگ بعد میں مسلمان ہو گئے (مہر لگا دی ہے اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے، اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے)۔

ربط: کافروں کا بیان ختم ہوا۔ آگے تیسری قسم لوگوں کا ذکر ہے جو کسی مصلحت یا دباؤ کے سبب زبان سے مانتے تھے مگر دل سے بالکل نہ مانتے تھے۔ ایسے لوگوں کو منافق کہا جاتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ

الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۘ﴿۸﴾ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا
يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ
فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾
اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ
اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ
هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ
وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾
اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰۗىِٕكَ
الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا
مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَاۗءَتْ
مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾
صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ
فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ
مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾
يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَهُمْ مَّشَوْا
فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ
بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: اورلوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالانکہ وہ ایمان والے نہیں چال بازی کرتے ہیں اللہ سے اور ان لوگوں سے جو ایمان لا چکے اور دراصل کسی کو دھوکہ نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو اور شعور نہیں رکھتے، ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھا دیا ان کو اللہ نے بیماری میں اور ان کے لئے عذاب درد ناک ہے اس وجہ سے کہ جھوٹ کہتے تھے۔ اور جب کہا جاتا ہے ان کو مت فساد کرو زمین میں تو کہتے ہیں محض ہیں ہم اصلاح کرنے والے، جان لو بے شک وہی ہیں فساد کرنے والے لیکن نہیں سمجھتے، اور جب کہا جاتا ہے ان کو ایمان لاؤ جیسا ایمان لائے اور لوگ، تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جیسا ایمان لائے بے وقوف ، جان لو بے شک وہی ہیں بے وقوف لیکن نہیں جانتے۔ اور جب ملاقات کرتے ہیں وہ مسلمانوں سے کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہا ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں محض ہم ہنسی اڑاتے ہیں (یعنی مسلمانوں کی)۔ اللہ ہنسی اڑاتا ہے ان کی اور ڈھیل دیتا ہے ان کو کہ وہ اپنی سرکشی میں حیران ہیں، یہ وہی ہیں جنہوں نے خرید لی گمراہی ہدایت کے بدلے سو نفع بخش نہ ہوئی ان کی تجارت اور نہ ہوئے راہ پانے والے، ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پھر جب روشن کر دیا آگ نے اس کے آس پاس کو تو زائل کر دی اللہ نے ان کی روشنی اور چھوڑ دیا ان کو اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے، بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ نہیں لوٹیں گے یا (ان کی مثال ایسی ہے) جیسے زور کی بارش پڑ رہی ہو آسمان سے اس میں اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی بھی ہے، دیتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں مارے کڑک کے موت کے ڈر سے اور اللہ احاطہ میں لئے ہوئے کافروں کو۔ قریب ہے کہ بجلی اچک لے ان کی آنکھیں۔ جب چمکتی ہے ان پر تو چلنے لگتے ہیں اس کی روشنی میں اور جب اندھیرا ہوتا ہے ان پر تو کھڑے رہ جاتے ہیں اور اگر چاہتا اللہ تو لے جاتا ان کے کان اور آنکھیں بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر: (اورلوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں) بلکہ (چالبازی کرتے ہیں اللہ سے اور ان لوگوں سے جو ایمان لا چکے ہیں اور واقع میں کسی کے ساتھ بھی چالبازی نہیں کرتے سوائے اپنی ذات کے) کہ اس چالبازی کا انجام بدخود انہی کو بھگتنا پڑے گا (مگر وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ ان کے دلوں میں بڑا مرض ہے) ان کی بد اعتقادی کا اور مسلمانوں کی ترقی دیکھ کر حسد میں جلنے کا اور ہر وقت اپنے کفر کے ظاہر ہو جانے کی فکر و خلجان کا (سو) مسلمانوں کو مزید ترقی دے کر (اللہ نے ان کا مرض اور بھی بڑھا دیا اور ان کے لئے درد ناک سزا ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے یعنی ایمان کا جھوٹا دعویٰ کیا کرتے تھے اور جب

)ان کی دورخی روش سے فتنے فساد واقع ہونے لگے اور خیر خواہ فہمائش کرتے کہ ایسی کارروائی تو موجب فساد ہوا کرتی ہے اور (ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت کرو اور ایسی کارروائیاں چھوڑ دو تو کہتے ہیں ہم تو محض اصلاح کرنے والے ہیں) یعنی اپنے آپ کو بجائے مفسد کے مصلح بتاتے ہیں اور اپنے فساد کو اصلاح سمجھتے ہیں۔ (یاد رکھو بے شک یہی لوگ مفسد ہیں لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے) یہ تو ان کی جہالت اور غباوت کا بیان ہے کہ اپنے عیب ہی کو ہنر سمجھتے ہیں، آگے دوسری جہالت کا بیان ہے کہ دوسروں کے ہنر کو یعنی ایمان خالص کو عیب اور حقیر سمجھتے ہیں (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی ایمان لے آؤ جیسا ایمان لائے ہیں اور لوگ، تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں گے جیسا ایمان لے آئے ہیں یہ بے وقوف، یاد رکھو کہ بیشک یہی ہیں بے وقوف لیکن اس کا علم نہیں رکھتے)۔ یہ منافق ایسی کھلی ہوئی بات بظاہر غریب مسلمانوں کے سامنے کر لیتے ہوں گے جن سے ان کو کوئی اندیشہ نہ تھا، ورنہ عام طور پر تو وہ اپنے کفر کو چھپاتے پھرتے تھے (اور) ایمان کا دعویٰ کرتے تھے لہٰذا (جب ملتے ہیں وہ منافق ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب خلوت میں پہنچتے ہیں اپنے شریر سرداروں کے پاس تو کہتے ہیں کہ ہم بے شک تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو) مسلمانوں سے (صرف ستہزاء کیا کرتے ہیں) یعنی ہم مسلمانوں سے محض تمسخر کے طور پر کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں ورنہ ہم تو تمہارے ہم مذہب ہیں، آگے ان کے استہزاء کا جواب ہے کہ (اللہ تعالیٰ ہی استہزاء کر رہے ہیں ان کے ساتھ اور ڈھیل دیتے چلے جاتے ہیں ان کو کہ وہ اپنی سرکشی میں حیران و سرگرداں ہو رہے ہیں) اللہ کا استہزاء یہی ہے کہ ان کو مہلت دی جا رہی ہے جب وہ کفر میں خوب کامل ہو جائیں اور جرم سنگین ہو جائے اس وقت اچانک پکڑ لئے جائیں گے، چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فعل ان کے استہزاء کے مقابلہ میں تھا اس لئے اس کو بھی استہزاء کے عنوان سے تعبیر کر دیا گیا۔ (یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے گمراہی لے لی بجائے ہدایت کے تو نفع بخش نہ ہوئی ان کی یہ تجارت اور نہ یہ ٹھیک طریقہ پر چلے) یعنی ان کو تجارت کا سلیقہ نہ ہوا کہ ہدایت جیسی قیمتی چیز کے بدلہ میں گمراہی لے لی۔ (ان کی حالت اس شخص کی حالت کے مشابہ ہے جس نے کہیں آگ جلائی ہو پھر جب روشن کر دیا ہو اس آگ نے اس شخص کے گرداگرد کی سب چیزوں کو، تو ایسی حالت میں سلب کر لیا ہو اللہ تعالیٰ نے ان کی) یعنی آگ جلانے والے اور اس کے ساتھیوں کی (روشنی کو اور چھوڑ دیا ہو ان کو اندھیروں میں کہ کچھ دیکھتے بھالتے نہ ہوں) تو جس طرح یہ شخص اور اس کے ساتھی روشنی کے بعد اندھیرے میں رہ گئے اسی طرح منافقین حق واضح ہو کر سامنے آجانے کے بعد گمراہی کے اندھیرے میں جا پھنسے اور جس طرح آگ جلانے والوں کی آنکھ، کان، زبان، اندھیرے میں بیکار ہو گئے، اسی طرح گمراہی کے اندھیرے میں پھنس کر حق سے بہت دور ہو گئے ہیں اور ان کی یہ حالت ہو گئی کہ گویا وہ (بہرے ہیں) کہ ان کے کان حق بات سننے کے قابل نہ

رہے، (گونگے ہیں) کہ ان کی زبان حق بات کہنے کے لائق نہ رہی اور (اندھے ہیں) کہ ان کی آنکھیں راہ حق دیکھنے کے کام کی نہ رہیں (اس لئے) اب (یہ) حق کی طرف (رجوع نہ کریں گے) یہ مثال تو ان منافقین کی تھی جو خوب دل کھول کر کفر پر جمے ہوئے تھے، کبھی ایمان کا دھیان بھی دل میں نہیں آتا تھا اس لئے بالکل اندھیروں میں رہ جانے والوں کے مشابہ قرار دئے گئے، آگے منافقین کے اس گروہ کی مثال ہے جو فی الواقع تردد میں تھے، کبھی کبھی اسلام کی حقانیت دیکھ کر اس کی طرف مائل ہونے لگتے، پھر جب اغراض نفسانی کا غلبہ ہوتا تو یہ میلان بدل جاتا تھا (یا ان منافقوں کی ایسی مثال ہے جیسے آسمان کی طرف سے بارش ہو اس میں اندھیرا بھی ہو اور گرج و برق بھی ہو جو لوگ اس بارش میں چل رہے ہیں وہ ٹھونسے رہتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے سبب اندیشہ موت سے اور) ایسی حالت میں بھی (اللہ تعالیٰ احاطہ میں لئے ہوئے ہے کافروں کو۔ برق کی یہ حالت ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ان کی بینائی اس نے اچک لی جہاں ذرا ان کے لئے بجلی کی چمک ہوئی تو اس کی روشنی میں چلنا شروع کر دیا، اور جب ان پر تاریکی ہوئی پھر کھڑے کے کھڑے رہ گئے اور اگر اللہ تعالیٰ ارادہ کرتے تو ان کے کان اور آنکھ سب سلب کر لیتے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں) تو جس طرح یہ لوگ طوفان بادوباراں میں کبھی چلنے سے رہ جاتے ہیں کبھی موقع پا کر آگے چلنے لگتے ہیں یہی حال ان متردد منافقین کا ہے کہ کبھی غلبہ اسلام کے آثار میں نور اسلام کی جھلک کو دیکھ کر ادھر کو بڑھنے لگتے ہیں اور کبھی خود غرضی کے اندھیرے میں پڑ کر پھر حق سے رک جاتے ہیں۔

ربط : یہاں تک تینوں قسم کی جماعتوں کا بیان ہو چکا۔ اب سب کو خطاب میں جمع کر کے عبادت رب کا کام بتایا جاتا ہے جس کو پورا کرنے کے لئے یہ مقدس کتاب نازل کی گئی ہے اس کے دو اصول ہیں توحید اور تصدیق رسالت۔ پہلے توحید کا مضمون ارشاد ہوتا ہے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: اے لوگو بندگی کرو اپنے رب کی وہ جس نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے شاید کہ تم بچ جاؤ، وہ جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالا اس (پانی) کے ذریعہ میووں سے رزق تمہارے لئے سو نہ ٹھہراؤ کسی کو

اللہ کے مقابل اور تم تو جانتے ہو۔

تفسیر: (اے لوگو! عبادت اختیار کرو اپنے پروردگار کی) بجائے اللہ کے پروردگار کا لفظ لائے تا کہ معلوم ہو کہ عبادت کی حقیقی حقدار وہ ذات ہے تمہاری پوری اور ہر طرح سے پرورش کرتی ہے۔ اس کے پرورش کرنے کا کچھ بیان یہ ہے کہ وہی ہے۔ (جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گزر چکے) ہیں لہٰذا تم اس کی عبادت کرو (شاید کہ تم) دوزخ سے (بچ جاؤ) شاہی محاورہ میں شاید کا لفظ وعدہ کے موقع پر بولا جاتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں دوزخ سے بچا لیں گے پرورش کا مزید بیان یہ ہے کہ (وہ) ذات پاک ایسی ہے (جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت اور برسایا آسمان سے پانی، پھر اس پانی کے ذریعہ سے پھلوں سے تمہارے لئے رزق نکالا تو معلوم ہوا کہ اس طرح کا پروردگار اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کہ وہ اللہ کے برابر ہو سکے (سو اب مت ٹھہراؤ اللہ پاک کے مقابل اور تم تو جانتے بوجھتے ہو) کہ یہ تمام تصرفات خدا تعالیٰ کے سوا کوئی کرنے والا نہیں، پھر خدا کے مقابلہ میں دوسری چیزوں کو معبود بنانا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

ربط: آگے رسالت کا مسئلہ بیان فرماتے ہیں۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ نبوت کی صاف اور بے غبار دلیل معجزہ ہوا کرتا ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ کو بھی بے شمار معجزے عطا ہوئے جن میں سے سب سے بڑا معجزہ قرآن پاک ہے کیونکہ یہ نبوت کے اثبات کی بڑی دلیل ہے۔ اس کے معجزہ ہونے میں مخالفین کو یہ شبہ تھا کہ شاید اس کو رسول اللہ ﷺ خود تصنیف کر لیا کرتے ہوں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اس شبہ کو اگلی آیت میں دور فرماتے ہیں تا کہ اس کا معجزہ ہونا ثابت ہو جائے پھر نبوت پر قطعی دلیل بن سکے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: اور اگر تم ہو شک میں اس (کلام) میں جو اتارا ہم نے اپنے بندے پر تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور بلا لو اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو، پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار کی ہوئی ہے کافروں کے واسطے۔

تفسیر: (اگر تم لوگ کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نازل فرمائی ہے اپنے خاص

بندے پر تو اچھا پھر تم بنا لاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہو) کیونکہ تم بھی عربی زبان جانتے ہو اور اس کی نظم ونثر کے مشاق بھی ہو جب کہ پیغمبر ﷺ نے اس کی کوئی مشق بھی نہیں کی اور جب اس کے باوجود تم قرآن کے ایک ٹکڑے کی بھی مثل نہ بنا سکو تو بشرط انصاف بے تامل ثابت ہو جائے گا کہ یہ معجزہ منجانب اللہ ہے اور آپ ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں (اور بالا لو اپنے حمایتیوں کو جو خدا سے الگ الگ تجویز کر رکھے ہیں اگر تم سچے ہو، پھر اگر تم یہ کام نہ کر سکو اور قیامت تک بھی نہ کر سکو گے تو) پھر ذرا (بچتے رہو دوزخ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، تیار رکھی ہوئی ہے کافروں کے واسطے) یہ سن کر کہ قیامت تک بھی نہ کر سکو گے کیا کچھ جوش وخروش اور پیچ وتاب نہ آیا ہوگا اور کوشش میں کوئی کمی نہ اٹھا رکھی ہوگی۔ پھر عاجز ہو کر بیٹھ رہنا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے۔

ربط: اس آیت میں منکرین قرآن کے لئے وعید مذکور تھی اب آگے تسلیم کرنے والوں کو بشارت سنائی جاتی ہے۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ
كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا
مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ
وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: اور خوش خبری دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور کئے اچھے کام کہ ان کے واسطے باغ ہیں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں جب بھی دئے جائیں گے وہاں کا کوئی پھل کھانے کو (تو) کہیں گے یہ تو وہی ہے جو دیئے گئے تھے ہم اس سے پہلے۔ اور وہ دیئے جائیں گے پھل ایک صورت کے اور ان کے لئے ہوں گی ان میں پاکیزہ بیویاں اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

تفسیر: (اور خوش خبری سنا دیجئے آپ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور کام کئے اچھے اس بات کی کہ بے شک ان کے واسطے باغات ہیں کہ چلتی ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں۔ جب بھی دیئے جائیں گے وہ لوگ ان باغوں میں سے کوئی پھل کھانے کو تو) ہر بار میں یہی (کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو دیا گیا تھا اس سے پہلے اور وہ دیئے جائیں گے) دونوں بار کا (پھل ملتا جلتا) تاکہ لطف اندوز

ہوں۔ کیونکہ دونوں مرتبہ پھلوں کی صورت ایک سی ہوگی، جس سے وہ سمجھیں گے کہ یہ پہلی ہی قسم کا پھل ہے مگر کھانے میں مزہ دوسرا ہوگا جس سے حظ وسرور بڑھے گا۔

اور ان کے واسطے ان باغوں میں بیویاں ہوں گی پاک صاف کی ہوئی اور وہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ کو بسنے والے ہوں گے)

ربط: یہاں تک قرآن پاک کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہوا اور اس کے انکار کرنے پر وعید اور اس کی تصدیق کرنے پر بشارت ذکر ہوئی۔ اب سمجھنا چاہئے کہ دعوی کرنے والے کے ذمہ دو حق ہوتے ہیں۔ ایک اپنے دعوی پر دلیل قائم کرنا دوسرے مخالف کی دلیل کا جواب دینا۔ یہاں قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا دعوی کیا گیا اور اس پر یہ دلیل قائم کی کہ تمام افراد بشر اس جیسا بنانے سے عاجز ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اللہ کا ہی کلام ہے اب بعض مخالف لوگ اس کے کلام الٰہی نہ ہونے پر یہ دلیل دیتے تھے کہ اس میں بہت سی حقیر چیزوں کا ذکر ہے جیسے مکھی، اور مکڑی کہ بتوں اور بت پرستوں کی مثال بتاتے ہوئے انکا ذکر آیا ہے۔ اگر یہ اللہ کا کلام ہوتا تو ایسی ذلیل اور حقیر چیزوں کا اس میں کیوں ذکر ہوتا۔ اس لئے تقاضا ہوا کہ اب مخالفین کی دلیل کا جواب دیا جائے اور چونکہ اعتراض کرنے والوں نے اعتراض اس انداز سے کیا تھا کہ محمد ﷺ کے رب ایسی چیزوں کے ذکر کرنے سے شرماتے نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے جواب بھی اسی انداز سے دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ

ترجمہ: بے شک اللہ نہیں شرماتا (اس بات سے) کہ بیان کرے کوئی مثال مچھر کی یا اس چیز کی جو اس سے بڑھ کر ہے۔ سو جو لوگ مومن ہیں وہ یقین جانتے ہیں کہ یہ مثال ٹھیک ہے ان کے رب کی طرف سے۔

تفسیر: (ہاں واقعی اللہ تعالیٰ تو نہیں شرماتے کہ بیان کر دیں کوئی مثال بھی خواہ مچھر کی ہو خواہ) حقیر ہونے میں (اس سے بھی بڑھی ہوئی ہو سو جو لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں وہ تو) خواہ کچھ ہی ہو (یہی یقین کریں گے کہ بیشک یہ مثال ٹھیک ہے) اور بہت ہی موقع کی ہے (ان کے رب کی جانب سے) کیونکہ مثال کو اس چیز سے مناسبت ہونی چاہئے جس کی وہ مثال ہے مثال دینے والے کے ساتھ مناسبت ہونا ضروری نہیں اس لئے کہ مثال سے غرض کسی شے کی حالت کی وضاحت کرنا مقصود ہوتا ہے تو جب تک مثال اس شے کے مناسب نہ ہوگی اسکے ذریعے سے اس شے کی حالت کی وضاحت نہ ہو سکے گی۔ قرآن پاک میں جہاں مکھی، اور مکڑی کا ذکر آیا ہے وہاں بت پرستی کا لچر ہونا اور بتوں کا عاجز و درماندہ

ہونا بیان کیا ہے اس لئے ان کی مثال میں حقیر اور ضعیف چیزوں کا لانا مناسب ہوا۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۶ۙ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۲۷

ترجمہ: اور رہے کافر ہیں سو کہتے ہیں کیا ارادہ کیا اللہ نے اس مثال سے۔ گمراہ کرتا ہے خدا تعالیٰ اس (مثال) سے بہت سوں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہت سوں کو۔ اور نہیں گمراہ کرتا اس (مثال) سے مگر بدکاروں کو جو توڑتے ہیں خدا کے معاہدہ کو مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو کہ حکم دیا اللہ نے اسکے ملانے کا اور فساد کرتے ہیں زمین میں۔ وہی ہیں بڑے خسارے والے۔

تفسیر: (اور رہ گئے وہ لوگ جو کافر ہو چکے ہیں) سوچا ہے کچھ ہی ہو جائے (وہ یوں ہی کہتے رہیں گے کہ وہ کونسا مطلب ہے جس کا قصد کیا ہوگا اللہ تعالیٰ نے اس) حقیر (مثال سے) چونکہ اس مثال سے جو مقصد تھا وہ بہت واضح تھا اور وہ کافر بھی اس سے ناواقف نہ تھے اور ان کا یہ سوال محض شرارت کے طور پر تھا اور اس مثال کی حکمت کا انکار کرنا اور اس کا مذاق اڑانا ان کا مقصود تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کو جواب دینے میں وہ طرز اختیار فرمایا جو ان کے مناسب تھا۔ اس لئے فرماتے ہیں تم یہ پوچھتے ہو کہ ایسی مثالوں کے بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کیا مطلب ہے؟ سو ہم سے مطلب سنو، وہ یہ ہے کہ یہ مثال اصلا تو اس لئے ہے کہ اس سے لوگوں کو نفع اور ہدایت ہو لیکن اس کے اثر کا دارومدار لوگوں کے طرز عمل پر ہے کہ ہدایت کے طلب گار ہیں یا اس سے اعراض کرنے والے ہیں۔ اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ گمراہ کرتے ہیں اس مثال کی وجہ سے بہت سوں کو) جو اعراض کرنے والے ہیں اور مثال کو الٹ استعمال کرتے ہیں (اور ہدایت کرتے ہیں اس کی وجہ سے بہت سوں کو) جو ہدایت طلبگار ہیں (اور گمراہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اس مثال سے کسی کو مگر صرف نافرمانی کرنے والوں کو) کیوں کہ نافرمانی کی نحوست سے حق طلبی کی عادت نہیں رہتی اور (جو اس معاہدہ کو جو وہ اللہ سے کر چکے تھے) یعنی عہد ازل جس میں سب کی ارواح نے اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا اقرار کیا تھا (اس کے استحکام کے

بعد توڑتے ہیں اور ان تعلقات کو قطع کرتے رہے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے) خواہ وہ تعلقات ہوں جو بندہ اور خدا کے درمیان ہیں یا وہ جو اس کے اور اقرباء اور رشتہ داروں کے درمیان ہیں یا وہ جو اس کے اور عام اہل اسلام کے درمیان ہیں یا وہ جو اس کے اور عام انسانوں کے درمیان ہیں (اور فساد کرتے رہتے ہیں زمین میں) کیونکہ کفر و شرک خود بھی فساد ہے اور دوسروں پر ظلم اور ناحق شناسی جو کفر کے لوازم میں سے ہے وہ بھی اس فساد میں شامل ہے (بس یہ لوگ ہیں پورے خسارہ میں پڑنے والے) کہ آخرت کی نعمت اور دنیا کی راحت سب ہاتھ سے دے بیٹھے، کیونکہ کافر مسلمانوں سے حسد میں رہتے ہیں اور حسد کی وجہ سے حاسد کی دنیوی زندگی بھی ہمیشہ تلخ ہی رہتی ہے۔

ربط: کفار کے شبہ کا جواب دینے کے بعد اب پھر اس مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں جو اس سے اوپر آیت یا ایھا الناس اعبدوا میں توحید کے متعلق ذکر ہوا تھا جس میں توحید کی دلیل بھی دی تھی۔ اب اس دلیل کو دوسرے رنگ میں پھر لائے یعنی جب اللہ تعالیٰ کا مربی اور خالق اور رازق اور محسن ہونے میں یکتا ہونا تم کو دلائل سے ثابت ہو چکا تو پھر۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ

كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: کس طرح ناشکری کرتے ہو اللہ کی حالانکہ تم تھے بے جان تو زندہ کیا تم کو پھر موت دے گا تم کو پھر زندہ کرے گا تم کو پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

تفسیر: (بھلا کیوں کر ناشکری کرتے ہو اللہ کے ساتھ) کہ اس کے احسانات کو بھلا دیتے ہو اور غیروں کا کلمہ پڑھتے ہو حالانکہ اس پر واضح دلائل قائم ہیں کہ صرف ایک اللہ ہی مستحق عبادت ہے مثلاً یہ کہ نطفہ میں جان پڑنے سے پہلے (تم بے جان تھے سو) اللہ نے (تم کو زندہ کیا پھر وہ تم کو موت دیں گے پھر) قیامت کے دن وہی (تم کو زندہ کریں گے پھر انہی کے پاس لوٹائے جاؤ گے) یعنی میدان قیامت میں حساب کتاب کے لئے حاضر کئے جاؤ گے۔

ربط: اس کے بعد اپنے کچھ انعام و احسان کا ذکر فرماتے ہیں کہ توحید کے مسئلہ میں اگر دلائل سے کام نہیں لیتے جس میں عقل سے کام لینا پڑتا ہے اور یہ محنت کا کام کون کرے تو اچھا اتنی بات تو غور و فکر کے بغیر بھی سمجھ آتی ہے کہ احسان کرنے والے کا حق ماننا چاہئے اس لئے اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان یاد کر کے ہی اس کی طرف رجوع کر لو۔ اس لئے اپنی عام اور خاص نعمتیں یاد دلاتے ہیں۔ پھر نعمتیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک حسی جیسے کھانا، پینا، روپیہ، مکان، جائیداد۔ دوسری معنوی جیسے عزت، آبرو، مسرت

،علم وغیرہ۔ پہلے حسی عام نعمتیں ذکر کیں پھر معنوی عام نعمتیں ذکر کیں۔

عام حسی نعمتوں کا بیان

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب۔ پھر قصد کیا آسمان کی طرف سوٹھیک کر دیا ان کو سات آسمان اور وہ ہر چیز سے خبردار ہے۔

تفسیر: (وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے) فائدہ کے (لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب) یہ فائدہ سب انسانوں کے لئے عام ہے کھانے پینے کا ہو یا پہننے اور استعمال کرنے کا یا نکاح اور روح کو تازگی بخشنے کا یا کسی چیز کو دیکھ کر توحید کے صحیح علم حاصل ہو جانے کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جس سے انسان کو فائدہ نہ پہنچتا ہو لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر چیز کا ہر استعمال حلال ہو، جیسے مہلک زہر بھی انسان کے لئے فائدہ سے خالی نہیں مگر ان کا کھا لینا کہ جس سے جان جائے عقل اور شرع دونوں کے نزدیک حلال اور جائز نہیں ہے۔ (پھر) اللہ نے توجہ فرمائی آسمان کی) تخلیق و تکمیل کی (طرف تو درست کر کے بنا دیئے ان کو سات آسمان اور) اور یہ اللہ کے لئے کوئی بڑی بات نہیں کیونکہ (وہ تو سب چیزوں کے جاننے والے ہیں)۔

عام معنوی نعمت کا بیان: کہ ہم نے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو علم کی دولت دی اور ان کو مسجود ملائکہ بنایا اور تم کو ان کی اولاد میں ہونے کا فخر دیا۔ اس سبب سے اس قصہ کو شروع سے ختم تک پورا بیان فرماتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ

بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں سے بے شک میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب کہا فرشتوں نے کیا تو بنائے گا زمین میں اس کو جو فساد کرے گا اس میں اور بہائے گا خون اور ہم تسبیح کرتے ہیں بحمد اللہ اور پاکی بیان کرتے ہیں آپ کی۔ فرمایا بے شک میں جانتا ہوں اس بات کو جو تم نہیں جانتے۔ اور سکھا دیئے اللہ نے آدم کو نام سب کے سب (چیزوں کے) پھر سامنے کیا ان سب چیزوں کو فرشتوں کے پھر فرمایا بتاؤ مجھ کو نام ان کے اگر تم ہو سچے، فرشتے بولے پاک ہے تو۔ نہیں علم ہم کو مگر جتنا تو نے سکھایا ہم کو بیشک تو ہے اصل جاننے والا حکمت والا، فرمایا اے آدم بتا دے ان (فرشتوں) کو ان چیزوں کے نام پھر جب بتا دیئے اس نے ان کو ان کے نام تو (اللہ نے) فرمایا کیا نہ کہا تھا میں نے تم کو کہ میں خوب جانتا ہوں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی اور جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔

تفسیر: (اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے) تاکہ وہ اپنی رائے ظاہر کریں۔ ان کی رائے لینے میں اللہ کی حکمت و مصلحت تھی ورنہ مشورہ کی حاجت سے تو حق تعالیٰ بالا و برتر ہیں، غرض اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ (میں ضرور بناؤں گا زمین میں ایک نائب) اور اپنے احکام کے اجراء و نفاذ کی خدمت اس کے سپرد کروں گا۔ فرشتوں کو کسی طرح یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جو نئی مخلوق زمین سے بنائی جائے گی ان میں نیک و بد ہر طرح کے لوگ ہوں گے، بعض لوگ اس نیابت کے کام کو اور زیادہ خراب کریں گے، اس لئے اعتراض کے طور پر یا اپنا استحقاق جتانے کے لیے نہیں بلکہ نیاز مندانہ (کہنے لگے کیا آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو اس میں فساد کریں گے اور خوں ریزیاں کریں گے (اور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں بحمد اللہ اور آپ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں) ہم سب کے سب ہر خدمت کے لئے حاضر ہیں اور گروہ ملائکہ میں کوئی گناہ کرنے والا بھی نہیں، اس لئے کوئی نیا عملہ بڑھانے اور نئی مخلوق پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے، خصوصاً جب کہ اس نئی مخلوق میں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ آپ کی مرضی کے خلاف کام کرے گی جس سے آپ ناراض ہوں۔ ہم ہر خدمت کے لئے حاضر ہیں اور ہماری خدمت آپ کی مرضی کے مطابق ہی ہو گی (حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے) یعنی جو چیز تمہاری نظر میں بنی آدم کی تخلیق سے مانع ہے کہ ان میں بعض فساد بھی پھیلائیں گے وہی چیز درحقیقت ان کی تخلیق کا اصلی سبب ہے کیونکہ احکام و

انتظام کا اجراء تو جبھی وقوع میں آ سکتا ہے جب کوئی اعتدال سے تجاوز کرنے والا بھی ہو، یہ مقصود تم فرما نبرداروں کے جمع ہونے سے پورا نہیں ہوسکتا۔

اعتدال سے تجاوز کر جانے والی ایک مخلوق یعنی جنات پہلے سے موجود تھی، اس سے یہ کام کیوں نہ لیا گیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کام کے لئے موزوں وہ مخلوق ہوسکتی ہے جس میں شر و فساد کا عنصر موجود تو ہو مگر غالب نہ ہو اور اصلاح قبول کرنے کی صلاحیت نسبتاً زیادہ ہو تا کہ اصلاح کی کوششوں کا زیادہ حصہ ضائع نہ ہو جب کہ جنات میں فساد کا عنصر غالب تھا اور اصلاح قبول کرنے کی صلاحیت بہت کمزور تھی اس لئے آدم کی تخلیق تجویز فرمائی۔

یہاں تک یہ تو معلوم ہوا کہ انسان کی تخلیق میں یہ حکمت ہے کہ ان کے ہونے سے اصلاح اور شریعت کا انتظام حاصل ہوگا گو کوئی مخالف اس قوت و استعداد اور صلاحیت کو جو اس کو کامل مقدار میں عطا ہوئی بے قدری کر کے اس سے نفع نہ اٹھائے مگر سامان کے جمع کر دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔

اب اس میں فرشتوں کی جانب سے اس احتمال کی گنجائش رہ گئی تھی کہ خیر انسان کو پیدا کر دیا جائے اور ان کی اصلاح کی خدمت ہم کو دیدی جائے اس لئے اب اس بات کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان آدمیوں کی اصلاح بھی آدمی ہی سے ہوسکتی ہے کیونکہ مصلح کے لئے علم کی ضرورت ہے اور جس خاص علم کی ضرورت ہے وہ ملائکہ کی استعداد سے خارج ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ ہر منتظم اور مصلح کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس چیز کا انتظام اور اصلاح کرنا چاہے اس چیز کی اصل وحقیقت اور اس کے ہر قسم کے نشیب و فراز سے پورا واقف و ماہر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اگر حاکم اپنی رعایا کی عادات و رسوم و مزاج اور ان کے فائدوں اور نقصان کی باتوں سے واقف نہ ہو تو رعایا کا انتظام درست نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح یہاں خلیفہ خداوندی کو جب انسانی طبائع کی اصلاح کا کام کرنا پڑے گا تو ضروری ہے کہ وہ ان طبائع کی کیفیات اور خصوصیات اور ان کے تغیر و تبدل سے پوری طرح آگاہ ہو۔ یہ تو انسان کی باطنی اصلاح کا انتظام ہوا۔ رہا ظاہری اصلاح کا کام تو شریعت کا یہ کہنا کہ فلاں چیز حرام ہے اور فلاں چیز حلال ہے اس میں بھی ضرورت ہوگی کہ ان چیزوں کے بہت سے حالات و خواص اور منافع و نقصانات معلوم ہوں مثلاً نشہ کی چیز حرام ہے تو اب جو شخص نشہ کی حقیقت اور آثار کو نہ جانتا ہوگا اس کے سامنے کوئی شراب پی کر بدمست بھی ہو جائے تو وہ اس کو تنبیہ اور نہی نہیں کرسکتا کیونکہ وہ عذر کرسکتا ہے کہ مجھ کو نشہ ہی نہیں ہوا اور یہ شخص اس کی تکذیب نہیں کرسکتا۔ بخلاف اس شخص کے جو جانتا ہو کہ نشہ دار چیز کی کیا خاصیت ہے اور اس کے پینے سے کیا حالت ہوتی ہے۔ غرض احوال بشریہ سے جس قدر بشر واقف ہوسکتا ہے ملائکہ یا جن ہرگز واقف نہیں ہو سکتے۔ اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے (ان کو علم دے دیا سب چیزوں کے ناموں کا) یعنی سب چیزوں کے نام اور ان کے خواص و آثار سب کا علم آدم کو دیدیا

(پھر وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو کر دیں پھر فرمایا کہ مجھ کو بتاؤ ان چیزوں کے نام) مع ان کے آثار و خواص کے (اگر تم) اپنے اس قول میں (سچے ہو) کہ ہم خلافت ارضی کا کام اچھا انجام دے سکیں گے (فرشتوں نے عرض کیا کہ آپ تو پاک ہیں) اس الزام سے کہ آدم علیہ السلام پر اس علم کو ظاہر فرما دیا اور ہم سے پوشیدہ رکھا کیونکہ کسی آیت یا روایت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آدم علیہ اسلام کو علم اسماء کی تعلیم فرشتوں سے الگ کر کے دی گئی۔ اس سے ظاہر یہ ہے کہ تعلیم تو سب کے سامنے یکساں دی گئی مگر آدم علیہ السلام کی فطرت میں اس علم کے حاصل کر لینے کی صلاحیت تھی انہوں نے حاصل کر لیا، فرشتوں کی طبیعت میں اس کی استعداد اور صلاحیت نہ تھی ان کو یہ علم حاصل نہ ہوا (مگر ہم کو ہی علم نہیں مگر وہی جو کچھ آپ نے ہم کو علم دیا) یعنی جس قدر ہماری پیدائش میں استعداد رکھی ہے اور اس کے موافق ہم کو علم عطا ہوا اس کے سوا ہم کو دوسرے علم سمجھنے کی قوت نہیں ہے (بیشک آپ بڑے علم والے ہیں) کہ آپ کو سب علوم حاضر ہیں اور ہماری اور آدمیوں کی سب معلومات سے آپ باخبر ہیں (حکمت والے ہیں) کہ جس قدر جس کے لئے مصلحت جانا اسی قدر علم وفہم اس کو عطا فرمایا، اس سے فرشتوں کا یہ اعتراف تو ثابت ہو گیا کہ وہ اس کام سے عاجز ہیں جو نائب کے سپرد کرنا ہے۔ آگے حق تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ آدم علیہ السلام میں اس خاص علم کی مناسبت کو فرشتوں کے سامنے آشکارا فرما دیں، اس لئے (حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم تم بتا دو ان کو ان چیزوں کے نام) مع حالات وخواص کے (سو جب بتا دیئے ان کو) آدم علیہ السلام نے (ان چیزوں کے نام) اور فرشتے سمجھ گئے کہ آدم علیہ السلام اس علم کے ماہر ہو گئے ہیں تو حق تعالیٰ نے (فرمایا دیکھو کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ بیشک میں جانتا ہوں آسمانوں کی اور زمین کی تمام پوشیدہ چیزوں کو اور جانتا ہوں جس بات کو تم ظاہر کر دیتے ہو اور جس کو تم دل میں رکھتے ہو)۔

ربط: پچھلے واقعہ میں جب آدم علیہ السلام کی فضیلت فرشتوں پر ظاہر ہو چکی اور دلائل سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ خلافت کی صلاحیت کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے وہ سب آدم علیہ السلام کو حاصل تھے اور ملائکہ کو ان میں سے بعض علوم حاصل ہیں اور جنات کو تو ان علوم کا بہت ہی کم حصہ حاصل ہے۔ خاص اس حیثیت سے آدم علیہ السلام تو ملائکہ اور جن دونوں گروہ کے علوم کے جامع ہیں اور ان کا شرف دونوں جماعتوں پر ظاہر ہو گیا۔ اب حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اس بات کو معاملہ سے بھی ظاہر فرما دیا جائے اور ملائکہ اور جنات سے ان کی کوئی خاص تعظیم کرائی جائے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ ان دونوں سے کامل ہیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ
اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: اور جب کہا ہم نے فرشتوں سے کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدہ میں گر پڑے سوائے ابلیس کے، اس نے انکار کیا اور تکبر کیا، اور ہو گیا وہ کافروں میں سے۔

تفسیر: (اور جس وقت کہا ہم نے فرشتوں کو) اور جنات کو بھی جیسا کہ بعض روایات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اور قرآن مجید میں ابلیس کے علاوہ دوسرے جنوں کے مامور بسجدہ ہونے کے ذکر کا اہتمام شاید اس لئے نہ کیا گیا ہو کہ عقلمند لوگ سمجھ ہی جائیں گے کہ فرشتے جو مقرب ہیں جب ان سے آدم علیہ السلام کی تعظیم کرائی گئی تو جن جو ان کے مقابلہ میں کچھ بھی رتبہ نہیں رکھتے اس تعظیم کے ضرور مکلّف ہوں گے۔ غرض ان سب کو یہ حکم ہوا (کہ سجدے میں گر جاؤ آدم کے سامنے تو سب سجدہ میں گر پڑے سوائے ابلیس کے کہ اس نے) کہنا نہ مانا بلکہ حکم سے انکار کیا اور تکبر کیا اور ہو گیا کافروں میں سے) کافر اس لئے بنا کہ اس نے حکم الٰہی کے مقابلہ میں تکبر کیا اور اس کے قبول کرنے میں عار کیا اور اس کو حکمت و مصلحت کے خلاف ٹھہرایا جیسا دوسرے مقام پر اسکا قول ذکر ہے کہ میں آگ سے بنا ہوں اور یہ مٹی سے بنے ہیں اس لئے میں ان سے افضل ہوں اور افضل سے کمتر کی تعظیم کرانا بے موقع ہے۔

آدم علیہ السلام کے قصہ کا تکملہ

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: اور ہم نے کہا اے آدم رہ تو اور تیری بیوی جنت میں اور تم دونوں کھاؤ اس سے جو چاہو جہاں کہیں سے چاہو اور مت پاس جانا اس درخت کے ورنہ تم ہو جاؤ گے ظالموں میں سے۔ پھر لغزش دی ان کو شیطان نے اس درخت کی وجہ سے سو نکالا ان کو اس (عیش) سے کہ جس میں وہ تھے اور ہم نے کہا تم سب اترو تم میں سے بعضے بعض کے دشمن ہو گے اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھہرنا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک۔

تفسیر: (اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم رہو تم اور تمہاری بیوی) جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت

کاملہ سے آدم علیہ السلام کی پسلی سے کوئی مادہ لے کر بنا دیا تھا (جنت میں۔ پھر کھاؤ دونوں اس سے جو چاہو جس جگہ سے چاہو اور) فلاں درخت کے پھل سے ہم منع کرتے ہیں لہٰذا (نزدیک نہ جانا اس درخت کے ورنہ تم بھی انہی میں شمار ہو جاؤ گے جو اپنا نقصان کر بیٹھے ہیں) خدا جانے وہ کیا درخت تھا مگر اس کے کھانے سے منع فرما دیا اور پھر آقا کو اختیار ہے کہ اپنے گھر کی چیزوں سے غلام کو جس چیز کے استعمال کرنے کی چاہے اجازت دیدے، اور جس چیز کو چاہے منع کر دے (پس لغزش دیدی آدم وحواء کو شیطان نے اس درخت کی وجہ سے سونکال کے رہا ان کو اس عیش سے جس میں وہ تھے۔) شیطان انکار سجدہ کے جرم میں ملعون ومردود ہو چکا تھا اور چونکہ یہ زخم اس کو آدم علیہ السلام کی وجہ سے پہنچا تھا اس لئے انکا جانی دشمن ہو گیا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ میں تو یوں مردود کیا گیا اور ان کا یوں اعزاز ہوا ہے اب اس فکر میں لگا کہ کسی طرح آدم کو ان کی بیوی سمیت اس عیش وعشرت سے نکالنا چاہئے۔ غرض یہ آدم علیہ السلام کے پیچھے پڑا اور جس طرح ہو سکا ان کو بہکانا شروع کیا کہ اصل میں اس درخت کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے کھانے سے آدمی کو یا تو دائمی زندگی حاصل ہوتی ہے یا وہ فرشتہ بن جاتا ہے مگر جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو منع کیا تھا اس وقت تمہارے اندر اس کی سہار نہیں تھی کیونکہ استعداد کمزور تھی۔ اب وقت گزرنے کے ساتھ تمہاری استعداد قوی ہو گئی ہے اس لئے اب اس کا کھانا تمہارے لئے منع نہیں رہا اور اپنی باتوں پر قسمیں بھی کھا گیا۔ چونکہ تاویل بڑی نمکین تھی ادھر اللہ کی قسمیں کھا گیا جس کا نام سن کر اللہ کی محبت رکھنے والے تو گھل ہی جاتے ہیں پھر لالچ دلایا دائمی حیات اور فرشتہ بننے کا اور پھر ممکن ہے آدم علیہ السلام نے اس ظالم کو پہچانا بھی نہ ہو کسی نئی شکل میں ملا ہو یا اس نے ملے بغیر ہی اپنی قوت جنیہ سے ٹیلی پیتھی کی طرح دور سے ہی اثر پہنچایا ہو جس سے آدم علیہ السلام کے خیال میں یہ بات پڑ گئی ہو اور یہ خدشہ بھی نہ ہوا ہو کہ یہ خیال کسی بدخواہ کا پہنچایا ہوا اثر ہے۔ غرض ایسے اسباب جمع ہو گئے تھے کہ اس درخت کے کھانے کو اس وقت ممانعت سے خارج سمجھ گئے اور کھا لیا۔ یہ حقیقت ہے لغزش میں آ جانے کی۔ غرض درخت کا پھل کھانا تھا کہ سب عیش وآرام رخصت ہوا اور اس وقت بہشت سے باہر آنے کا حکم ہوا چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں (اور ہم نے کہا نیچے اترو تم میں سے بعضے بعض کے دشمن رہیں گے) یعنی ایک، اثر تو ظاہری ہوا کہ یہاں سے زمین پر جاؤ دوسرا اثر باطنی ہے کہ بعضوں میں باہم عداوتیں بھی قائم رہیں گی جس سے زندگی کا لطف بہت کچھ کم ہو جائے گا۔ خطا کے تاویل واجتہاد سے ہونے کے باوجود اس قدر گرفت اس وجہ سے ہے کہ جس شخص میں عقل وفہم زیادہ ہو اور وہ مقرب بھی ہو اس پر ملامت زیادہ ہوتی ہے کہ تم نے زیادہ غور سے کام کیوں نہیں لیا۔ تو یہ گرفت آدم علیہ السلام کے کمال اور ان کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ (اور تم کو زمین پر کچھ عرصہ ٹھہرنا ہے اور کام چلانا ہے ایک میعاد معین تک) یعنی وہاں جا کر بھی دوام نہ ملے گا کچھ

عرصہ کے بعد وہ گھر بھی چھوڑنا پڑے گا۔

آدم علیہ السلام نے ایسے خطاب وعتاب کہاں سنے تھے نہ ایسے سنگدل تھے کہ اس کی سہار کر جاتے بے چین ہو گئے اور فوراً ہی معافی کی التجا کرنے لگے اور جس طرح کوئی خادم اپنی خطا پر واقعی نادم ہو کر منہ بنا کر ہاتھ جوڑ کر گردن جھکا کر مالک و آقا کے روبرو خاموش کھڑا ہو جاتا ہے اور ہیبت کے مارے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہے ڈرتا ہے کہ کہیں اپنی ناسمجھی سے کوئی اور بات ایسی نہ نکل جائے جو مالک کو غصہ دلائے یا اپنی خطا کو اس قدر بڑا سمجھتا ہے کہ اس کے لئے معذرت کے الفاظ کافی نہیں ملتے اس وقت آقا کو جوش کرم ہوتا ہے اور مہربان ہو کر کہتا ہے کہ کیا چاہتا ہے کچھ منہ سے تو کہہ۔ وہ جب پھر بھی کچھ نہیں کہتا تو آقا کہتا ہے کہ اچھا عہد کر کہ پھر ایسی حرکت نہ کروں گا۔ خادم اس کی تلقین کے موافق وہی الفاظ عرض کرتا ہے۔ اس پر آقا کہہ دیتا ہے کہ جا معاف کیا پھر مت کرنا غرض اس طرح۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: پھر سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے چند الفاظ پھر متوجہ ہو گیا (اللہ) اس پر۔ بیشک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان، ہم نے حکم دیا نیچے جاؤ یہاں سے تم سب، پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو پیروی کرے میری ہدایت کی نہ خوف ہو گا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے، اور جو لوگ کافر ہوئے اور جھٹلایا انہوں نے ہماری نشانیوں کو وہ ہیں دوزخ والے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر: حضرت آدم علیہ السلام کی ندامت پر اللہ تعالی کی رحمت متوجہ ہوئی اور خود ہی معذرت کے الفاظ تلقین فرما دیئے چنانچہ (آدم) علیہ السلام (نے حاصل کر لیے اپنے ربت سے) معذرت کے (چند کلمات) اور پھر وہ کلمات عرض کئے (تو اللہ تعالیٰ) نے رحمت کے ساتھ (ان پر توجہ فرمائی) یعنی توبہ قبول کر لی (بیشک وہی ہیں بڑی توبہ قبول کرنیوالے بڑے مہربان) اور ان کی اور حضرت حواء کی توبہ کا

بیان سورہ اعراف میں ہے، قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ یعنی ان دونوں نے درخواست کی کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ (سورہ اعراف: 23) جس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی توبہ اور قبول توبہ میں آدم علیہ السلام کے ساتھ شریک رہیں، مگر معاف فرمانے کے بعد بھی زمین پر جانے کے حکم کو منسوخ نہیں فرمایا کیونکہ اس میں ہزاروں حکمتیں اور مصلحتیں مضمر تھیں، مثلا دنیا میں اللہ تعالی کے احکام کو جاری کرنا۔ البتہ حکم کا طرز بدل دیا کہ پہلا حکم زمین پر اترنے کا حاکمانہ انداز میں سزا کے طور پر تھا، اب یہ حکم حکیمانہ انداز سے اس طرح ارشاد ہوا قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا الآیہ یعنی (ہم نے حکم فرمایا کہ تم نیچے جاؤ اس بہشت سے سب کے سب، پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت) یعنی وحی اور رسول کے ذریعہ سے شرعی احکام آئیں (جو شخص پیروی کرے گا میری اس ہدایت کی تو نہ کچھ اندیشہ ہوگا ان پر اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے) یعنی ان پر کوئی خوفناک واقعہ نہ پڑے گا۔ قیامت کے ہولناک واقعات سے ان کا بھی خوف زدہ ہونا اس کے منافی نہیں، جیسا کہ صحیح احادیث میں سب پر ہول اور خوف کا عام ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حزن وہ کیفیت ہے جو کسی مضرت و مصیبت کے واقع ہو جانے کے بعد قلب میں پیدا ہوتی ہے جبکہ خوف ہمیشہ مصیبت کے واقع ہونے سے پہلے ہوا کرتا ہے، یہاں حق تعالیٰ نے حزن و خوف دونوں کی نفی فرما دی، کیونکہ ان پر کوئی آفت و کلفت واقع نہ ہوگی جس سے حزن یا خوف ہو، آگے ان لوگوں کا حال بیان کیا ہے جو اس ہدایت کی پیروی نہ کریں فرمایا (اور جو لوگ کفر کریں گے اور تکذیب کریں گے ہمارے احکام کی یہ لوگ ہوں گے دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔)

ربط: یہاں تک عام معنوی نعمت کا بیان تھا جس کے ضمن میں حضرت آدم علیہ السلام کا پورا قصہ بیان فرمایا گیا ہے۔ آگے خاص نعمت کا بیان فرماتے ہیں جو خاص اس وقت کے اہل علم کو عطا ہو رہی تھی۔ مشرکین عرب میں تو اہل علم نہ تھے اہل کتاب میں البتہ پڑھے لکھے لوگ موجود تھے ان میں بھی بنی اسرائیل کی کثرت تھی جن پر پشتہا پشت سے انعام و احسان ہوتے آئے تھے اور ان کو حسب و نسب اور ریاست سب طرح کا فخر و امتیاز حاصل تھا اس لئے بنی اسرائیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور وہ نعمتیں ان کو یاد دلاتے ہیں تاکہ شرما کر ایمان لائیں۔ اور چونکہ یہ اہل علم تھے ان کے ایمان لانے سے دوسرے عوام پر اچھا اثر پڑے گا اس لئے ان نعمتوں کو پہلے اجمالا یاد دلاتے ہیں پھر اگلے رکوع سے انکا تفصیلی ذکر پارہ کے ختم کے قریب تک چلے گا۔ آخر میں پھر اسی قسم کی عبارت ہوگی کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو مقصود اعظم ہوتا ہے کلام کو شروع بھی اسی سے کرتے ہیں اور دلائل وغیرہ قائم کر کے پھر نتیجہ کے طور پر اس کو ختم پر بھی لایا کرتے ہیں۔ سو ارشاد ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ
اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ
فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ
كَافِرٍ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۠ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلْبِسُوا
الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: اے نبی اسرائیل یاد کرو میرے احسان جو میں نے کئے تم پر اور تم پورا کرو میرا عہد میں پورا کروں گا تمہارا عہد اور مجھ ہی سے ڈرو، اور مان لو اس (کتاب) کو جو میں نے اتاری ہے اس حال میں کہ سچا بتانے والی ہے اس (کتاب) کو جو تمہارے پاس ہے۔ اور مت ہو سب میں اول منکر اس کے اور نہ لو میرے احکام پر قیمت تھوڑی اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو اور مت مخلوط کرو حق کو ناحق کے ساتھ اور مت چھپاؤ حق کو حالانکہ تم جانتے ہو۔

تفسیر: (اے بنی اسرائیل) یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کیونکہ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا جس کا مطلب ہے اللہ کا بندہ (یاد کرو تم لوگ میرے ان احسانوں کو جو میں نے تم پر کئے ہیں) تاکہ حق نعمت سمجھ کر ایمان لانا تمہارے لئے آسان ہو جائے، (اور) یاد کرنے سے مراد یہ ہے کہ تم پورا کرو تم میرے عہد کو) جو تم نے توریت میں مجھ سے کیا تھا جس کا بیان قرآن کی اس آیت میں ہے وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَائِيْلَ وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا الایہ یعنی اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ اس کے نتیجہ میں (میں پورا کروں گا تمہارے عہد کو) جو میں نے تم سے کیا تھا کہ اگر ایمان لاؤ گے تو۔ لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ (سورہ مائدہ: 12) یعنی ضرور میں دور کروں گا تم سے تمہاری برائیاں (اور صرف مجھ ہی سے ڈرو) اپنے معتقد عوام سے نہ ڈرو کہ ان کا اعتقاد نہ رہے گا اور ان سے آمدنی بند ہو جائے گی (اور ایمان لاؤ اس کتاب پر جو میں نے نازل کی ہے) یعنی قرآن پر (ایسی حالت میں کہ وہ سچا بتانے والی ہے اس کتاب) تورات (کو جو تمہارے پاس ہے) یعنی تورات کے کتاب الٰہی ہونے کی تصدیق کرتی ہے۔ اور جو اس میں تحریفات کی گئی ہیں وہ خود تورات و انجیل ہونے ہی سے خارج ہیں ان کی تصدیق اس سے لازم نہیں آتی (اور تم اس قرآن کے پہلے انکار کرنے والے مت بنو) یعنی تمہیں دیکھ کر جو دوسرے لوگ انکار کریں گے ان سب میں انکار و کفر کے اول بانی تم ہو گے اس لئے قیامت تک ان کے کفر و انکار کا وبال تمہارے نامہ اعمال میں بھی درج ہوتا رہے گا (اور

میرے احکام کے مقابلہ میں یعنی میرے احکام کو چھوڑ کر یا ان کو بدل کر یا چھپا کر عوام الناس سے (حقیر معاوضہ) یعنی دنیائے ذلیل وقلیل کو (مت لو۔ جیسا کہ ان کی عادت تھی جس کی تصریح آگے آتی ہے۔ (اور خاص مجھ ہی سے ڈرو اور) اس کا مظاہرہ اس طرح سے ہو کہ (مخلوط مت کرو حق کو ناحق کے ساتھ اور پوشیدہ بھی مت کرو حق کو حالانکہ تم جانتے بھی ہو) کہ حق کو چھپانا بری بات ہے۔ خودغرض لوگ شرعی احکام میں تبدیلی دوطرح کیا کرتے ہیں ایک تو یہ کہ اگر زور چلا تو اس کو ظاہر ہی نہ ہونے دیا یہ کتمان یعنی چھپانا ہے اور اگر ان کے چھپائے نہ چھپ سکا اور ظاہر ہی ہو گیا تو پھر اس میں خلط ملط کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہیں کاتب کا سہو بتلا دیا کہیں مجاز کا بہانہ پیش کر دیا کہیں کہہ دیا کہ یہاں یہ الفاظ حذف ہیں۔ یہ لبس یعنی خلط ہے۔ حق تعالیٰ نے دونوں سے منع کر دیا۔

ربط : ایمان کے بعد بعض اہم اعمال کا حکم دیا تا کہ دونوں کے مجموعہ سے اسلام کی تکمیل کا مقصود ہونا ظاہر ہو جائے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ
تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا
بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ
يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: اور قائم رکھو نماز اور دیا کرو زکوۃ اور عاجزی کرو عاجزی کرنے والوں کے ساتھ۔ کیا تم حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام (کرنے) کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو حالانکہ تم تو پڑھتے رہتے ہو کتاب۔ کیا پھر تم سمجھتے نہیں ہو۔ اور مدد چاہو صبر سے اور نماز سے اور بے شک وہ بھاری ہے مگر خشوع کرنے والوں پر جو خیال رکھتے ہیں کہ وہ بے شک ملنے والے ہیں اپنے رب سے اور یہ کہ وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

تفسیر: (اور) مسلمان ہو کر (تم لوگ قائم کرو نماز اور ادا کرو زکوۃ اور عاجزی کرو عاجزی کرنے والوں کے ساتھ)۔ اعمال دو قسم کے ہیں اعمال ظاہری اور اعمال باطنی۔ پھر اعمال ظاہری دو قسم کے ہیں عبادت بدنی اور عبادت مالی۔ ان میں سے ہر ایک کی ایک ایک اہم مثال ذکر کر دی۔ نماز عبادت بدنی ہے زکوۃ عبادت مالی ہے خشوع وخضوع عمل باطنی ہے۔ چونکہ تواضع باطنی میں اہل تواضع

کی معیت وصحبت کو بڑا دخل ہے اور اس کی بڑی تاثیر ہے اس لئے مَعَ الرّٰاکِعِیْنَ کا بڑھانا نہایت برمحل ہے۔ یہ تینوں عمل عظیم الشان ہونے کے علاوہ بنی اسرائیل کی حالت کے بہت مناسب تھے اس لئے ان کو خاص طور سے ذکر فرمایا کیونکہ نماز سے ان کی حب جاہ کم ہوگی زکوۃ سے حب مال گھٹے گی اور تواضع باطنی سے حسد وغیرہ میں کمی آئے گی۔ یہی تین مرض ان میں زیادہ تھے چنانچہ اسکا مستقل علاج بھی آگے ان کو بتائیں گے۔ پھر یہ بھی نہ تھا کہ ان کو رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کی خبر نہ تھی بلکہ اس کے برعکس قصہ یہ تھا کہ بنی اسرائیل کے علماء کے بعض اقارب اسلام قبول کر چکے تھے۔ جب ان سے گفتگو ہوتی تو خفیہ طور پر یہ علماء ان سے کہتے تھے کہ بے شک حضرت محمد ﷺ رسول برحق ہیں ہم لوگ تو کسی مصلحت سے مسلمان نہیں ہوتے مگر تم اس مذہب اسلام کو نہ چھوڑنا۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا (کیا) غضب ہے کہ (حکم کرتے ہو اور لوگوں کو نیک کام کا) یعنی رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کو اور آپ کی اطاعت کرنے کو (اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم تلاوت کرتے رہتے ہو کتاب کی) یعنی توریت کی جس میں جابجا ایسے عالم بے عمل کی مذمتیں مذکور ہیں جو تلاوت کے وقت تمہاری نظر سے گزرتی ہیں (تو پھر کیا تم) اتنا بھی (نہیں سمجھتے) کہ ہم بھی ان مذمتوں کے مصداق بنے جاتے ہیں۔

ان علماء بنی اسرائیل کے پاس ایمان نہ لانے کا کوئی عذر تو نہ تھا مگر ان کی دو خصلتیں ان کے ایمان قبول کرنے میں رکاوٹ تھیں ایک حب مال دوسری حب جاہ۔ اور انہیں دو کی وجہ سے حسد بھی پیدا ہو گیا تھا۔ بار بار یہی خیال ہوتا تھا کہ اگر ہم نے رسول اللہ ﷺ کا اتباع اختیار کر لیا تو یہ تو آسان بات ہے کیونکہ اس میں کچھ نقصان نہیں مگر اس کے بعد اس پر قائم بھی رہنا پڑے گا تو یہ اس لئے مشکل ہے کہ اگر ایسا ہوا تو پھر کہاں تو یہ آمدنی اور قدر و منزلت اور کہاں خود آپ کی غلامی کرنی پڑے گی اور چونکہ مال و جاہ کی محبت دل میں خوب گھس گئی تھی اس لئے اسلام کی فتوحات اور ترقی کو اپنے تنزل کا سبب سمجھ کر حسد کے مارے جلے مرتے تھے۔ غرض اصل مرض یہ دو تھے اور ان کی وجہ سے ایمان لانا دشوار ہو رہا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ اس مشکل کے آسان ہو جانے کا طریقہ بتلاتے ہیں۔ کہ اگر تم کو حب مال اور حب جاہ کی وجہ سے ایمان قبول کرنے کے بعد اس پر استقامت دشوار معلوم ہو تو (مدد لو صبر اور نماز سے) یعنی ایمان لا کر صبر (اور) نماز کا التزام کرو کہ صبر سے حب مال گھٹے گی کیونکہ مال اسی وجہ سے محبوب ہے کہ لذتوں کے حصول کا ذریعہ ہے تو جب لذتوں ہی کے ترک کی ہمت باندھ لو گے تو مال بھی محبوب نہ رہے گا اور نماز سے حب جاہ کم ہوگی کیونکہ نماز میں ہر طرح کی پستی و خاکساری ہے۔ جب نماز کی عادت پختہ ہو جائے گی تو حب جاہ گھٹے گی۔ یہی مادہ فساد کا تھا۔ اس کی اصلاح سے اب ایمان پر استقامت میں دشواری معلوم نہ ہوگی۔ اگر کوئی کہے کہ نماز تو خود ایک دشوار عمل ہے خود اس دشواری کا کیا علاج ہو تو فرمایا۔ (اور بے شک وہ) نماز

(دشوار ضرور ہے مگر جن کے دلوں میں خشوع ہو) ان پر کچھ بھی دشوار نہیں)۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ نماز میں دشواری کا سبب دیکھنا چاہئے کہ کیا ہے؟ تو ظاہر ہے کہ انسان کا دل میدان خیال میں آزاد پھرنے کا عادی ہوتا ہے اور انسان کے ہاتھ پیر اور اعضاء اس کے دل کے تابع ہوتے ہیں تو اس کا دل یہ بھی چاہتا ہے کہ اعضاء بھی آزاد رہیں جب کہ نماز میں پوری پوری قید ہے نہ ہنسو، نہ بولو، نہ کھاؤ، نہ پیو، نہ چلو، نہ پھرو وغیرہ۔ سب سے پہلے تو ہاتھ پیر وغیرہ پابند ہوتے ہیں پھر اس پابندی کا اثر دل پر پڑتا ہے اور وہ تنگی محسوس کرتا ہے۔ غرض اس دشواری کا اصل سبب دل کی قوت فکریہ ہے کہ سوچ میں آزاد رہنا چاہتا ہے۔ اسکا علاج یہ ہے کہ اس کی سوچ وفکر کو قطع کر دیا جائے۔ لیکن یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص متفرق خیالات کو دل سے نکالنا چاہے تو یہ گویا محال ہے۔ تو اب اس کی صرف ایک تدبیر ہے اور وہ یہ کہ چونکہ نفس ایک وقت میں دو طرف متوجہ نہیں ہوسکتا اس لئے اگر کسی ایک خیال میں اس کو منہمک کر دیا جائے تو دوسرے خیالات نہیں آئیں گے اور وہ خود معدوم ہو جائیں گے اس لئے خشوع کے بعد اس خیال کو بتاتے ہیں جس میں منہمک ہو جانے سے دوسرے خیالات دفع ہوں اور ان کے دفع ہونے سے دل کو سکون ہو اور اس کے سکون سے نماز میں آسانی ہو اور اس میں آسانی ہونے سے وہ ہمیشہ ادا ہوا کرے اور اس کے ہمیشہ پڑھنے سے حب جاہ کم ہو اور اس کی کمی سے ایمان پر ثابت قدمی اور بقاء کی رکاوٹ دور ہو اور ایمان پر ثابت قدمی نصیب ہو۔ تو اب اس خاص خیال کی تعلیم فرماتے ہیں۔ (خاشعین وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بے شک ملنے والے ہیں اپنے رب سے) تو اس وقت اس خدمت کا خوب انعام ملے گا (اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف واپس جانے والے ہیں) تو اس وقت اس کا حساب کتاب بھی دینا ہوگا۔ ان دونوں خیالوں سے رغبت اور ڈر پیدا ہوگا جو کہ نیک کام میں مستعد کرنے کے لئے خاص دخل رکھتے ہیں۔

ربط : اوپر بنی اسرائیل کے اہل علم کو اپنی نعمتیں اجمالا یاد کرائیں اب ان کو تفصیل سے ذکر فرماتے ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾
وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا
شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمت جو میں نے کی تم پر اور اس کو کہ میں نے بڑائی دی تم کو تمام جہان والوں پر اور ڈرو اس دن سے کہ مطالبہ ادا نہ کرے گا کوئی شخص دوسرے کی طرف سے کچھ بھی اور قبول نہ کی جائے گی اس کی طرف سے سفارش اور نہ لیا جائے گا اس کی طرف سے بدلہ اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔

تفسیر: (اے بنی اسرائیل) یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد (تم لوگ میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم کو دی تھی) تاکہ شکر اور اطاعت کی تحریک ہو اور اس (بات کو) یاد کرو (کہ میں نے تم کو) خاص خاص برتاؤ میں (تمام دنیا جہان والوں پر فوقیت دی تھی) اور ان الفاظ کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ''میں نے تم کو ایک بڑے حصہ مخلوق پر فوقیت دی تھی'' مثلاً اس زمانہ کے لوگوں پر۔ ان خاص برتاؤں کا بیان ایک آیت کے بعد سے شروع ہوگا اور ان برتاؤں کا زیادہ حصہ ان مخاطبین کے باپ دادا کے ساتھ ہوا ہے لیکن عموماً ایسا ہوتا ہے کہ باپ دادا کے ساتھ جو احسان و اکرام کیا جائے اس سے ان کی اولاد بھی فائدہ حاصل کرتی ہے جس کا عام طور سے مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اس لئے ان کو آیت میں مخاطب کیا گیا ہے۔ اطاعت کی ترغیب کے بعد اطاعت نہ کرنے پر دھمکی سناتے ہیں تاکہ ترغیب کی وجہ سے بے خوف ہی نہ ہو جائیں۔ (اور ڈرو تم ایسے دن سے کہ) جس میں یعنی قیامت کے دن میں (نہ تو کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کرسکتا ہے) کہ دوسرا اپنی نیکیاں کسی کے مطالبہ میں دیدے (اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہوسکتی ہے) کیونکہ کافروں کے لئے کسی کو سفارش کی اجازت ہی نہ ہوگی (اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی معاوضہ لیا جاسکتا ہے اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے) کہ کوئی زور دار حمایت کر کے ان کو بچا سکے۔ غرض یہ کہ دنیا میں جتنے طریقے مدد کرنے کے ہوتے ہیں ایمان کے بغیر کچھ نہ ہوگا۔

بنی اسرائیل پر خصوصی نعمتیں

پہلی نعمت: فرعون اور اس کی اذیتوں سے نجات

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو اس وقت کو) جب کہ رہائی دی ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے جو دیتے تھے تم کو برا عذاب، ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو اور اس میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بڑی۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب کہ رہائی دی ہم نے تم) لوگوں کے آباؤ اجداد (کو متعلقین فرعون سے جو پہنچاتے تھے تم کو برا عذاب ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کے اور زندہ چھوڑ دیتے تھے تمہاری عورتوں کو) یعنی لڑکیوں کو کہ زندہ رہ کر بڑی عورتیں ہو جائیں اور تمہاری خادمائیں بنیں اور اس واقعہ (میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارا ایک بڑا بھاری امتحان تھا) کیونکہ کسی نے فرعون سے پیشینگوئی کر دی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا ایسا پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں تیری سلطنت جاتی رہے گی، اس لئے اس نے نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کرنا شروع کر دیا اور چونکہ لڑکیوں سے کوئی اندیشہ نہ تھا اس لئے ان سے کچھ تعرض نہیں کیا، دوسرے اس میں ان کا اپنا ایک مطلب بھی تھا، کہ ان عورتوں سے خدمت گاری کا کام لیتے تھے۔ سو یہ عنایت بھی اپنے مطلب کے لئے تھی۔

دوسری نعمت: آل فرعون کو غرق کرنا

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿٥٠﴾

ترجمہ: اور جب پھاڑ دیا ہم نے تمہاری وجہ سے دریا کو پھر بچا لیا ہم نے تم کو اور ڈبو دیا ہم نے فرعون کے لوگوں کو اور تم دیکھ رہے تھے۔

تفسیر: اور وہ زمانہ یاد کرو (جب کہ پھاڑ دیا ہم نے تمہاری) نجات کی (وجہ سے دریا کو پھر ہم نے) ڈوبنے سے (بچا لیا تم کو اور غرق کر دیا متعلقین فرعون کو) مع فرعون کے (اور تم) اس کا (معائنہ کر رہے تھے)۔

یہ قصہ اس طرح ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو کر پیغمبر ہو گئے اور مدتوں فرعون کو سمجھاتے رہے، جب وہ کسی طرح نہ مانا تو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو خفیہ طور پر لے کر یہاں سے چلے جاؤ، راستہ میں دریا حائل ہوا اور اسی وقت پیچھے سے فرعون بھی لشکر سمیت آ پہنچا، حق تعالیٰ کے حکم سے دریا شق ہو گیا اور بنی اسرائیل کو گزرنے کا راستہ مل گیا یہ تو پار ہو گئے، فرعون کے پہنچنے تک دریا اسی طرح رہا، وہ بھی تعاقب کی غرض سے اس میں گھس گیا، اس وقت سب طرف سے دریا سمٹ کر اپنی سابق حالت پر ہو گیا اور فرعون اور اس کے ساتھی سب وہاں ہی غرق ہو کر ختم ہو گئے۔

تیسری، چوتھی نعمت: عطاء تورات اور شرک سے توبہ کی قبولیت

وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ وَأَنتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنكُم

مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: اور جب وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا پھر بنا لیا تم نے بچھڑا موسیٰ کے بعد اور تم ظالم تھے پھر بھی درگزر کیا ہم نے تم سے اسکے بعد بھی تا کہ تم احسان مانو۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب کہ وعدہ کیا تھا ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے) توریت دینے کا ایک مدت گزرنے پر جس میں دس رات کا اضافہ ہو کر (چالیس رات کا) زمانہ ہو گیا تھا (پھر تم لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد) پرستش کے لئے بچھڑا بنا لیا اور تم) اس بات میں صریح (ظلم پر تھے) کہ ایسی بے جا بات کے قائل ہو گئے تھے۔

یہ قصہ اس وقت ہوا جب فرعون کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل بقول بعض مصر میں واپس آ کر رہنے لگے، یا بقول بعض کسی اور مقام پر ٹھہر گئے تو موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل نے عرض کیا کہ اب ہم بالکل مطمئن ہو گئے، اگر کوئی شریعت ہمارے لئے مقرر ہو تو اس کو اپنا دستور العمل بنائیں، موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ تم کوہ طور پر آ کر ایک مہینہ ہماری عبادت میں مشغول رہو ایک کتاب تم کو دیں گے، آپ نے ایسا ہی کیا اور تورات آپ کو مل گئی، مگر شکرانہ کے طور پر دس روز مزید عبادت میں مشغول رہنے کا حکم دیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام تو یہاں رہے اور وہاں ایک شخص سامری نامی تھا، اس نے چاندی یا سونے کا ایک بچھڑے کا قالب بنا کر اس کے اندر وہ مٹی جو اس نے جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے اٹھا کر اپنے پاس محفوظ رکھی ہوئی تھی ڈال دی، اس بچھڑے میں جان پڑ گئی اور بنی اسرائیل کے جاہلوں نے اس کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش شروع کر دی۔

(پھر) بھی (ہم نے) تمہارے توبہ کرنے پر تم سے (اتنی بڑی بات) ہونے (کے بعد بھی تم سے درگزر کیا تا کہ تم احسان مانو)۔

ربط: آگے مذکورہ بالا دونوں نعمتوں کی تفصیل بیان ہوئی۔

وَاِذۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ وَالۡفُرۡقَانَ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۵۳﴾

ترجمہ: اور جب دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فیصلہ کن چیز تا کہ تم سیدھی راہ پر چلتے رہو۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب دی ہم نے موسیٰ) علیہ السلام (کو کتاب) توریت (اور فیصلہ کی چیز) جس سے مراد یا تو توریت میں لکھے ہوئے احکام شرعیہ تھے، کیونکہ شرع سے تمام اعتقادی اور عملی اختلافات کا فیصلہ ہو جاتا ہے، یا معجزے تھے کہ ان سے سچے، جھوٹے دعوی کا فیصلہ ہوتا ہے، یا خود توریت ہی تھی کہ اس میں کتاب ہونے کی صفت بھی ہے اور فیصل ہونے کی صفت بھی (تا کہ تم راہ

راست پر چلتے رہو)۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ
اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ
فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ
اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اے میری قوم بے شک تم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اپنے اختیار کرنے سے بچھڑے کو سو (اب) توبہ کرو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف اور قتل کر ڈالو اپنے اپنے لوگوں کو یہ بہتر ہے تمہارے لئے تمہارے خالق کے نزدیک پھر متوجہ ہوا تم پر بیشک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب موسیٰ) علیہ السلام (نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم بے شک تم نے اپنا بڑا نقصان کیا (بچھڑے) کی پرستش (کو اختیار کرنے سے سو تم اب اپنے خالق کی طرف توبہ کرو، پھر توبہ کے ایک حصہ کے طور پر تم بعض آدمی) جنہوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی (بعض آدمیوں کو) جنہوں نے گوسالہ پرستی کی (قتل کرو یہ) عملدرآمد (تمہارے لئے بہتر ہوگا، تمہارے خالق کے نزدیک، پھر) اس عملدرآمد کرنے سے (حق تعالیٰ تمہارے حال پر) اپنی عنایت سے (متوجہ ہوئے، بے شک وہ تو ایسے ہی ہیں کہ توبہ قبول کر لیتے ہیں اور مہربانی فرماتے ہیں)۔

پانچویں نعمت

جب موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور سے توریت لا کر پیش کی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، تو بعض گستاخ لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ خود ہم سے کہہ دے کہ یہ ہماری کتاب ہے تب ہم یقین کریں گے، موسیٰ علیہ السلام نے باذن الٰہی فرمایا کہ کوہ طور پر چلو یہ بات بھی ہو جائے گی، بنی اسرائیل نے اس کام کے لئے ستر آدمی منتخب کر کے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر روانہ کئے، وہاں پہنچنے پر اللہ تعالیٰ کا کلام ان لوگوں نے خود سنا تو اس وقت اور رنگ لائے کہ ہم کو تو کلام سننے سے قناعت نہیں ہوتی خدا جانے کون بول رہا ہوگا، اگر خدا کو دیکھ لیں تو بے شک مان لیں۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ
حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہرگز ہم یقین نہ کریں گے تجھ پر یہاں تک کہ دیکھ لیں اللہ کو اعلانیہ پھر پکڑ لیا تم کو بجلی کی کڑک نے اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر زندہ کر اٹھایا ہم نے تم کو تمہاری موت کے بعد شاید کہ تم احسان مانو۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب تم لوگوں نے) یوں (کہا کہ اے موسیٰ ہم تمہارے کہنے سے ہرگز نہ مانیں گے) کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے (یہاں تک کہ ہم) خود (اللہ تعالیٰ کو اعلانیہ طور پر دیکھ لیں سو) اس گستاخی پر (تم کو آلیا بجلی کی کڑک نے، اور تم) اس بجلی کا آنا (آنکھوں سے دیکھ رہے تھے) پھر تم لوگ بجلی سے مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ بنی اسرائیل ویسے ہی بدگمان رہتے ہیں اب وہ یہ سمجھیں گے کہ میں نے ان کو لے جا کر کسی تدبیر سے ہلاک کر دیا ہے۔ مجھ کو اس تہمت سے محفوظ رکھئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کو پھر زندہ کر دیا۔ (پھر ہم نے) موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے (تمہارے مر جانے کے بعد تم کو زندہ کر اٹھایا شاید کہ تم احسان مانو گے)

چھٹی نعمت: ابر اور من وسلویٰ

بنی اسرائیل کا اصل وطن ملک شام تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت میں مصر آئے تھے اور یہاں ہی آباد ہو گئے تھے، اور ملک شام میں عمالقہ نامی قوم کا تسلط ہو گیا، فرعون جب غرق ہو گیا اور یہ لوگ مطمئن ہو گئے اور مصر میں رہتے ہوئے کچھ وقت گزر گیا تو اللہ تعالیٰ کا ان کو حکم ہوا کہ عمالقہ سے جہاد کرو اور اپنی اصلی جگہ کو ان کے قبضہ سے چھڑالو، بنی اسرائیل اس ارادہ پر مصر سے چلے اور ان کی حدود میں پہنچ کر جب عمالقہ کے زور وقوت کا حال معلوم ہوا تو ہمت ہار بیٹھے اور جہاد سے صاف انکار کر دیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس انکار کی یہ سزا دی کہ چالیس برس تک ایک میدان میں سرگرداں و پریشاں پھرتے رہے، گھر پہنچنا بھی نصیب نہ ہوا۔

یہ وادی تیہ ایک کھلا میدان تھا، اس میں نہ کوئی عمارت تھی نہ درخت جس کے نیچے دھوپ اور سردی اور گرمی سے بچا جا سکے، اور نہ یہاں کوئی کھانے پینے کا سامان تھا، نہ پہننے کے لئے لباس، مگر اللہ تعالیٰ نے معجزہ کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اسی میدان میں ان کی تمام ضروریات کا انتظام فرما دیا، بنی اسرائیل نے دھوپ کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک سفید باریک ابر کا سایہ کر دیا اور بھوک کا تقاضا ہوا تو من وسلویٰ نازل فرما دیا، یعنی درختوں پر ترنجبین جو ایک شیریں چیز ہے بکثرت پیدا کر دی، یہ لوگ اس کو جمع کر لیتے، اسی کو من کہا گیا اور بٹیریں ان کے پاس جمع ہو جاتیں، ان سے بھاگتی نہ تھیں،

یہ ان کو پکڑ لیتے اور ذبح کر کے کھاتے ، اسی کو سلویٰ کہا گیا ہے۔ یہ لوگ دونوں لطیف چیزوں سے پیٹ بھر لیتے ، چونکہ ترنجبین کی کثرت معمول سے زائد تھی اور بٹیروں کا وحشت نہ کرنا یہ بھی معمول کے خلاف ہے لہٰذا اس حیثیت سے دونوں چیزیں خزانہ غیب سے قرار دی گئیں۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٥٧﴾

ترجمہ: اور سایہ کیا ہم نے تم پر ابر کا اور اتارا ہم نے تم پر من اور سلویٰ۔ کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے جو دیں ہم نے تم کو اور نہیں نقصان دیا انہوں نے ہم کو لیکن وہ اپنی جانوں کو نقصان دیتے تھے۔

تفسیر: (اور سایہ فگن کیا ہم نے تم پر ابر کو) میدان تیہ میں (اور) خزانہ غیب سے (پہنچائیں ہم نے تمہارے پاس ترنجبین اور بٹیریں) اور تم کو اجازت دی کہ (کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں) مگر وہ لوگ اس میں بھی خلاف ورزی کی بات کر بیٹھے کہ ذخیرہ اندوزی سے منع کیا گیا تھا لیکن وہ کرنے لگے (اور) اس سے (انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا، لیکن اپنا ہی نقصان کرتے رہے)۔

ساتویں نعمت: کھانے پینے کی مطلوبہ چیزیں ملنا۔

وادی تیہ میں بنی اسرائیل جب من وسلویٰ کھاتے کھاتے اکتا گئے اور اپنے معمولی کھانے کی درخواست کی جیسا کہ آگے کی چوتھی آیت میں آ رہا ہے تو ان کو ایک شہر میں جانے کا حکم ہوا تھا، کہ وہاں کھانے پینے کی اور معمولی چیزیں ملیں گی، سو یہ حکم اس شہر کے اندر جانے کے متعلق ہے، اس میں داخل ہونے کے وقت قولی وفعلی ادب اختیار کرنے کو کہا گیا اور اس کی تفصیل ذکر کی اور اندر جا کر کھانے پینے میں توسیع کی گئی۔

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے کہا داخل ہو اس شہر میں اور کھاتے پھرو اس میں سے جہاں چاہو تم آزادی سے اور داخل ہو دروازے میں جھکے جھکے اور کہتے جاؤ بخش دے تو ہم معاف کر

دیں گے تمہارے لیے تمہاری خطائیں اور ہم زیادہ بھی دیں گے نیکی کرنے والوں کو۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب ہم نے حکم دیا کہ تم لوگ اس شہر کے اندر داخل ہو پھر کھاؤ اس) کی چیزوں (میں سے جس جگہ تم رغبت کرو آزادی سے، اور) یہ بھی حکم دیا کہ جب اندر جانے لگو تو (دروازہ میں داخل ہونا) عاجزی سے (جھکے جھکے اور) زبان سے یہ (کہتے جانا کہ بخش دے) بخش دے تو (ہم معاف کر دیں گے تمہارے لیے تمہاری) پچھلی (خطائیں) ہمارا یہ وعدہ تو سب کے لئے ہے۔ (اور) اس پر مزید ہمارا وعدہ یہ ہے کہ دل سے نیک کام کرنے والوں کو ہم اور دیں گے۔)

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: پھر بدل ڈالا ظالموں نے کلمہ کو خلاف اس کے کہ جو کہا گیا تھا ان سے پھر اتارا ہم نے ظالموں پر عذاب آسمان سے اس وجہ سے کہ وہ حکم عدولی کرتے تھے۔

تفسیر: (سو بدل ڈالا ان ظالموں نے ایک اور کلمہ جو خلاف تھا اس کلمہ کے جس) کے کہنے (کا ان کو کہا گیا تھا) یعنی ان سے کہا گیا تھا کہ حطہ یعنی بخش دے کہتے داخل ہونا۔ وہ اس جگہ حبۃ فی شعیرۃ یعنی جو کے درمیان غلہ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ (اس پر ہم نے ان ظالموں پر) طاعون کی ایک سماوی آفت نازل کی اس جہ سے کہ وہ حکم عدولی کرتے تھے۔

آٹھویں نعمت: پانی کے چشمے عطا فرمانا

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: اور جب پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کے واسطے تو ہم نے کہا مار اپنے عصا کو پتھر پر سو پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے، پہچان لیا ہر قوم نے اپنا گھاٹ۔ کھاؤ اور پیو اللہ کے رزق سے اور مت نکلو حد سے زمین میں فساد مچاتے۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب) وادی تیہ میں قوم کے پانی طلب کرنے پر حضرت

(موسیٰ) علیہ السلام (نے پانی کی دعا مانگی اپنی قوم کے واسطے، اس پر ہم نے) موسیٰ علیہ السلام کو (حکم دیا کہ اپنے) اس (عصا کو فلاں پتھر پر مارو) اس سے پانی نکل آئے گا (پس) عصا پتھر پر مارنے کی دیر تھی فورا (اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے) اور بنی اسرائیل کے بھی بارہ ہی خاندان تھے، چنانچہ (ہر قوم) یعنی خاندان (نے اپنے پانی پینے کی جگہ معلوم کر لی) اور ہم نے یہ نصیحت کی کہ کھانے کو (کھاؤ اور) پینے کو (پیو اللہ تعالیٰ کے رزق سے اور حد) اعتدال (سے مت نکلو فساد) وفتنہ (کرتے ہوئے سرزمین میں)۔

نویں نعمت: مطالبہ کا تسلیم کیا جانا

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ
نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ
الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ
قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا
مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ
وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا
يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

ترجمہ: اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہم ہرگز صبر نہ کریں گے ایک (ہی طرح کے) کھانے پر سو دعا مانگ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے کہ نکالے ہمارے واسطے اس سے جو اگاتی ہے زمین ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز، کہا (موسیٰ نے) کیا بدل کر لینا چاہتے ہو وہ چیز جو ادنیٰ ہے اس کے بدلہ میں جو بہتر ہے، اترو کسی شہر میں تو تم کو ملے گی جو تم مانگتے ہو اور ڈالی گئی ان پر ذلت اور پستی اور وہ پلٹے ساتھ غضب الٰہی کے۔ یہ اس لئے ہوا کہ وہ انکار کرتے تھے احکام خداوندی کا اور قتل کرتے تھے پیغمبروں کو ناحق، یہ اس لئے کہ نافرمان تھے اور حد تھے۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب تم لوگوں نے) یوں (کہا کہ اے موسیٰ) روز کے روز

(ہم ایک ہی قسم کے کھانے) یعنی من وسلویٰ (پر ہرگز صبر نہ کریں گے) اس لئے (آپ ہمارے واسطے دعا کریں کہ آپ کا رب ہمارے لئے ایسی چیزیں نکالے جو زمین میں اگا کرتی ہیں، ساگ) ہوا (ککڑی) ہوئی (گیہوں) ہوئی (مسور) ہوئی (پیاز) ہوئی (آپ نے فرمایا کیا تم بدل کر لینا چاہتے ہو ادنیٰ درجہ کی چیزوں کو ایسی چیز کے مقابلہ میں جو اعلیٰ درجہ کی ہے۔) جب تمہارا اپنے مطالبہ پر اصرار رہا تو انہوں نے فرمایا اچھا اگر نہیں مانتے تو (کسی شہر میں) جا کر (اترو) وہاں (البتہ تم کو وہ چیزیں ملیں گی جن کی تم درخواست کرتے ہو۔ اور) ایسی ایسی گستاخیوں کی وجہ سے (ان پر ذلت ڈالی گئی) جو ایک زمانہ میں جا کر آخر نقش کی طرح جم گئی کہ دوسروں کی نگاہ میں ان کی قدر نہ رہی (اور پستی) کہ خود ان کی طبیعتوں میں اولوالعزمی نہ رہی۔ ہمارے دور میں یہود کو اسرائیل نامی ملک میں حکومت حاصل ہے اور وہ بہت پرعزم نظر آتے ہیں تو اس کی وجہ عیسائی طاقتوں کا ان کی مکمل پشت پناہی کرنا ہے اور اس حالت کا استثناء خود قرآن نے سورۃ آل عمران میں کیا ہے ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ یعنی جما دی گئی ان پر ذلت جہاں کہیں جائیں گے مگر سوائے ایک تو ایسے ذریعہ سے جو اللہ کی جانب سے ہو اور ایک ایسے ذریعہ سے جو آدمیوں کی طرف سے ہو۔ (اور پلٹے غضب الٰہی کے ساتھ۔) اور (یہ) ذلت وغضب (اس وجہ سے) ہوا کہ (وہ لوگ احکام الٰہیہ کے منکر ہو جاتے تھے اور پیغمبروں کو قتل کر دیا کرتے تھے) کہ وہ قتل خود ان کے نزدیک بھی (ناحق) ہوتا تھا (اور) نیز (یہ) ذلت وغضب (اس وجہ سے) ہوا (کہ ان لوگوں نے نافرمانی کی) اطاعت نہ کی اور وہ حد) اطاعت (سے نکل نکل جاتے تھے)۔

ربط : اس مقام پر یہودیوں کی شرارت کا حال معلوم کر کے سامعین کو یا خود یہود کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ ان حالات میں اگر وہ عذر پیش کر کے ایمان لانا بھی چاہیں تو غالباً وہ اللہ کے نزدیک قبول نہ ہو۔ اس خیال کو دفع کرنے کے لئے اس آیت میں ایک قانون اور ضابطہ کا ذکر فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَ
الصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ
اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾

ترجمہ: بے شک مسلمان اور یہودی اور عیسائی اور صابئین (ان میں سے) جو ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخرت پر اور کام کئے نیک تو ان کے لئے ان کا ثواب ہے ان کے رب کے

پاس اور نہیں کچھ خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

تفسیر: (مسلمان، یہودی اور نصاریٰ اور فرقہ صابئین ان سب میں جو شخص) حضرت محمد ﷺ کے اعتماد پر (یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ) کی ذات وصفات پر (اور قیامت پر اور) آپ ﷺ کی شریعت کے موافق (کارگزاری اچھی کرے) (ایسوں کے لئے ان کا حق الخدمت بھی ہے ان کے پروردگار کے پاس) پہنچ کر (اور) وہاں جا کر (ان پر کسی طرح کا اندیشہ بھی نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے)۔ قانون کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے دربار میں کسی کی تخصیص نہیں جو شخص عقائد اور اعمال میں پوری اطاعت اختیار کرے گا خواہ وہ پہلے سے کیسا ہی ہو ہمارے ہاں مقبول اور اس کی خدمت مشکور ہے اور ظاہر ہے کہ نزول قرآن کے بعد پوری اطاعت، اطاعت محمدی ﷺ یعنی مسلمان ہونے میں منحصر ہے، مطلب یہ ہوا کہ جو مسلمان ہو جائے گا نجات اخروی کا مستحق ہوگا۔ مذکورہ بالا خیال کا یہ جواب ہو گیا یعنی ان شرارتوں کے بعد بھی اگر مسلمان ہو جائیں تو ہم سب معاف کر دیں گے۔ اور صابئین مشرکوں کا ایک فرقہ تھا جس کے عقائد اور طرز عمل کے بارے میں چونکہ کسی کو پورا پتہ نہ چلا اس لئے مختلف اقوال ہیں۔

اس قانون میں مسلمانوں کے ذکر کی ایسی مثال ہے کہ کوئی حاکم یا بادشاہ کسی ایسے ہی موقع پر یوں کہے کہ ہمارا قانون عام ہے کوئی موافق ہو یا مخالف، جو شخص بھی اطاعت کرے گا وہ عنایت کا مستحق ہوگا، اب ظاہر ہے کہ موافق تو اطاعت کر ہی رہا ہے سنانا تو اصل میں مخالف کو ہے، لیکن اس میں نکتہ یہ ہوتا ہے کہ ہم جو موافقین پر عنایت کرتے ہیں تو اس کی علت ان سے کوئی ذاتی خصوصیت نہیں، بلکہ ان کی صفت موافقت ہے اس لئے اس صفت کو اگر مخالف بھی اختیار کر لے تو وہ بھی اس موافق کے برابر ہو جائے گا، اس لئے مخالف کے ساتھ موافق کو بھی ذکر کر دیا گیا۔

دسویں نعمت: عہد شکنی پر فوری ہلاکت نہ ہونا

جب موسیٰ علیہ السلام کو طور پر توریت عطا ہوئی اور آپ نے واپس تشریف لا کر قوم کو وہ دکھائی اور سنائی تو اس میں احکام ذرا سخت تھے، مگر ان لوگوں کی حالت کے مطابق ایسے ہی احکام مناسب تھے، تو اول تو انہوں نے یہی کہا تھا کہ جب ہم سے اللہ تعالیٰ خود کہہ دیں گے کہ یہ میری کتاب ہے، تب مانیں گے جس کا قصہ اوپر گزر چکا ہے۔ غرض وہ ستر آدمی جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر گئے تھے واپس آ کر انہوں نے گواہی دی اللہ نے اس کو اپنی کتاب کہا ہے، مگر اس شہادت میں اپنی طرف سے اتنی آمیزش بھی کر دی کہ ''اللہ تعالیٰ نے آخر میں یہ فرما دیا تھا کہ تم سے جس قدر عمل ہو سکے کرنا جو نہ ہو سکے معاف ہے'' تو کچھ تو جبلی شرارت، کچھ احکام کی مشقت اور کچھ اس آمیزش کا حیلہ ملا، غرض صاف کہہ دیا کہ ہم سے تو اس کتاب پر عمل نہیں ہو سکتا، حق تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ کوہ طور کا ایک بڑا ٹکڑا اٹھا کر ان کے

سروں پر معلق کر دو کہ یا تو مانو ورنہ ابھی گرا، آخر مجبوراً ماننا پڑا، لیکن بعد میں پھر عہد شکنی کرنے لگے اس کے باوجود اللہ کا فضل رہا اور عہد شکنی کی بنا پر فوراً ہلاک نہیں کئے گئے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: اور جب لیا ہم نے عہد اور بلند کیا ہم نے تمہارے اوپر (کوہ) طور کو کہ قبول کرو جو (کتاب) دی ہم نے تم کو مضبوطی سے اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے تا کہ تم متقی بن جاؤ، پھر تم پھر گئے اس کے بعد۔ سو اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی مہربانی تو ضرور تم ہوتے خسارہ پانے والوں میں سے۔

تفسیر: اور وہ زمانہ یاد کرو (جب ہم نے تم سے عہد لیا) کہ تورات پر عمل کرو گے (اور) اس لینے کے لئے (ہم نے طور) پہاڑ (کو اٹھا کر تمہارے اوپر) محاذات میں معلق (کر دیا) اور اس وقت کہا (کہ) جلدی (قبول کرو جو کتاب) یعنی تورات (ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی کے ساتھ اور یاد رکھو جو احکام اس) کتاب (میں ہیں تا کہ تم متقی بن جاؤ۔ پھر تم اس عہد کے بعد) اس سے (بھی پھر گئے، سو اگر تم لوگوں پر خدا تعالیٰ کا فضل اور رحم نہ ہوتا) تو اس عہد شکنی کا تقاضا تو یہ تھا کہ (ضرور تم) فوراً (تباہ) اور ہلاک (ہو جاتے) مگر ہماری عنایت و رحمت عامہ ہے کہ حیات مستعار کے ختم ہونے تک مہلت دے رکھی ہے، لیکن کب تک؟ بالآخر مرنے کے بعد اپنے اعمال کے وبال میں مبتلا ہو گے۔

حق تعالیٰ کی رحمت عامہ دنیا میں مومن کافر سب پر ہے جس کا اثر عافیت اور دنیوی راحت ہے۔ رحمت خاصہ کا ظہور آخرت میں ہوگا، جس کا اثر نجات اور قرب خداوندی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ: یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ دین میں تو اکراہ نہیں ہے، یہاں کیوں اکراہ کیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ اکراہ ایمان لانے پر نہیں، بلکہ اول اپنی خوشی سے ایمان و اسلام قبول کر لینے کے بعد اس کے خلاف بغاوت کرنے کی وجہ سے ہے، باغیوں کی سزا تمام حکومتوں میں بھی عام مخالف اور دشمن قوموں سے الگ ہوتی ہے، ان کے لئے ہر حکومت میں دو ہی راستے ہوتے ہیں، یا اطاعت قبول کریں یا قتل کئے جائیں، اسی وجہ سے اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے، کفر کی سزا قتل نہیں۔

ربط: مذکورہ بالا آیت کے آخری جزو کے بظاہر مخاطب وہ یہودی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں موجود تھے۔ چونکہ آپ ﷺ پر ایمان نہ لانا عہد شکنی میں شامل ہے اس لئے ان کو بھی عہد شکنوں میں داخل کر کے بطور احسان فرمایا کہ اس پر بھی ہم نے تم پر دنیا میں کوئی ایسا عذاب نازل نہیں کیا جیسا پہلے بے ایمانوں پر ہوتا رہا ہے۔ یہ محض خدا کی رحمت ہے۔ اور اس مضمون کی تائید کے لئے بے ایمانوں کا ایک واقعہ بطور نظیر کے اگلی آیت میں پیش کیا جاتا ہے لہٰذا اللہ کی پکڑ کو مستبعد نہ سمجھو ایسا ہو چکا ہے اور تم کو خبر بھی ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾

ترجمہ: اور تم خوب جان چکے ہو ان لوگوں کو جنہوں نے حد سے تجاوز کیا تھا تم میں سے ہفتہ کے دن میں تو کہا ہم نے ان سے کہ ہو جاؤ بندر ذلیل، پھر بنا دیا ہم نے اس واقعہ کو عبرت ان لوگوں کے لئے جو اس وقت تھے اور جو بعد میں آنے والے تھے اور (بنا دیا اسکو) نصیحت واسطے ڈرنے والوں کے۔

تفسیر: (اور تم جانتے ہی ہو ان لوگوں کا حال جنہوں نے تم میں سے) شرعی حد سے (تجاوز کیا تھا) اس حکم کے بارے میں جو (ہفتہ کے دن) کے متعلق تھا کہ اس روز مچھلی کا شکار نہ کریں، (سو ہم نے ان کو) اپنے قہری اور تکوینی حکم سے انکا مسخ کرنے کے لئے (کہہ دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ) چنانچہ وہ بندروں کے قالب میں مسخ ہو گئے (پھر ہم نے اس کو ایک عبرت) انگیز واقعہ (بنا دیا ان لوگوں کے لئے بھی جو اس قوم کے ہمعصر تھے اور ان لوگوں کے لئے بھی جو بعد کے زمانے میں آتے رہے اور) نیز اس واقعہ کو (موجب نصیحت) بنایا خدا سے (ڈرنے والوں کے لئے)۔

فائدہ: بنی اسرائیل کا یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ہوا۔ بنی اسرائیل کے لئے ہفتہ کا دن قابل تعظیم اور عبادت کے لئے مقرر تھا اور مچھلی کا شکار بھی اس روز ممنوع تھا۔ یہ لوگ سمندر کے کنارے آباد تھے اور مچھلی کے شوقین تھے۔ اس حکم کو نہ مانا اور شکار کیا، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صورت کے مسخ کا عذاب نازل ہوا، تین دن کے بعد وہ سب مر گئے۔

اس واقعہ کو دیکھنے اور سننے والے دو قسم کے لوگ تھے، فرمانبردار اور نافرمان، نافرمانوں کے لئے تو یہ واقعہ نافرمانی سے توبہ کرانے والا تھا، اس لئے اس کو نکال یعنی عبرت فرمایا اور فرمانبرداروں کو یہ واقعہ

فرمانبرداری پر قائم رکھنے والا تھا اس کو موعظۃ یعنی نصیحت فرمایا:

گیارہویں نعمت: نامعلوم قاتل کو معلوم کرنے کی تدبیر بتانا

بنی اسرائیل میں ایک خون ہو گیا تھا جس کی وجہ یا تو وارثوں کا طمع مال تھا یا یہ وجہ ہوئی کہ کسی شخص نے مقتول کی کسی لڑکی سے شادی کی درخواست کی تھی مگر مقتول نے انکار کر دیا اور اس شخص نے اس کو قتل کر دیا۔ قاتل لاپتہ تھا اس کا پتہ نہ لگتا تھا اور توریت ابھی نازل نہ ہوئی تھی۔ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ قاتل کا پتہ چلے۔ آپ نے بحکم خداوندی ایک بیل ذبح کرنے کا حکم فرمایا جس سے قاتل کے سراغ لگنے کا طریقہ قصہ کے آخر میں معلوم ہوگا کہ ذبح شدہ بیل کے کسی ٹکڑے سے مقتول کی لاش کو چھو دو۔ اس سے مقتول وقتی طور پر زندہ ہو کر خود قاتل کا نام بتا دے گا۔ انہوں نے اپنی عادت اور جبلت کے مطابق اس میں حجتیں نکالنا شروع کیں۔ آگے اس کی تفصیل ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى

لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا
هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ
لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا
فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا
بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا
رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ
شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ
تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا
الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

ترجمہ: اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اللہ حکم دیتا ہے تم کو کہ ذبح کرو ایک بیل وہ بولے کیا تو بناتا ہے ہم کو مسخرہ کہا میں پناہ لیتا اللہ کی اس سے کہ میں ہو جاؤں جاہلوں میں سے۔ بولے کہ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتا دے ہم کو کہ وہ بیل کیسا ہو، کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ بیل ہے نہ بوڑھا ہو نہ بہت بچہ ہو، پٹھا ہو دونوں عمروں کے وسط میں۔ سو اب کر ڈالو جو تم حکم دئے گئے ہو، بولے کہ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتا دے ہم کو کہ کیسا ہے اس کا رنگ، کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک بیل ہے زرد خوب گہرا ہو اس کا رنگ فرحت دیتا ہو دیکھنے والوں کو، بولے کہ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتا دے ہم کو کس طرح کا ہے وہ کیونکہ وہ بیل مشتبہ ہو گیا ہے ہم پر اور ہم اگر چاہا اللہ نے تو ضرور ٹھیک سمجھ لیں گے۔ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک بیل ہے نہ محنت کرنے والا کہ جوتتا ہو زمین کو اور نہ پانی دیتا ہو کھیتی کو، (عیب سے) سالم ہو نہ ہو کوئی داغ اس میں، بولے اب لایا تو ٹھیک بات پھر ذبح کیا اس کو اور نہ وہ لگتے تھے کہ ایسا کر لیں گے۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب) حضرت (موسیٰ) علیہ السلام نے (اپنی قوم سے فرمایا کہ حق تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ) اگر تم اس لاش کے قاتل کا پتہ لگانا چاہتے ہو تو (تم ایک بیل ذبح کرو۔ وہ کہنے لگے کہ کیا آپ ہم کو مسخرہ بناتے ہیں) کہاں قاتل کی تحقیق کہاں جانور کا ذبح کرنا۔ (موسیٰ) علیہ السلام (نے فرمایا نعوذ باللہ جو میں ایسی جہالت والوں کا سا کام کروں) کہ احکام خداوندی میں تمسخر کرنے لگوں۔ یہ دیکھ کر حیلے بہانے کرنے کی خاطر (وہ لوگ کہنے لگے کہ) اچھا اگر یہ حکم خداوندی ہے تو (آپ ہمارے لئے اپنے رب سے درخواست کیجئے کہ وہ ہم سے بیان کر دیں کہ اس) بیل کے (کیا اوصاف ہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ) میری درخواست کے جواب میں (یہ فرماتے ہیں کہ وہ ایسا بیل) ہو کہ (نہ بوڑھا ہو نہ بہت بچہ ہو) بلکہ (پٹھا ہو دونوں عمروں کے وسط میں۔ سو اب) زیادہ حجت مت کرو بلکہ (کر ڈالو جو کچھ تم کو حکم ملا ہے۔ کہنے لگے کہ) اچھا یہ بھی (درخواست کر دیجئے ہمارے لئے اپنے رب سے کہ وہ ہم سے یہ) بھی (بیان کر دیں کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ آپ نے فرمایا) اس کے متعلق (حق تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک زرد رنگ کا بیل ہو جس کا رنگ تیز ہو کہ ناظرین کو فرحت بخش ہو، کہنے لگے کہ) اس دفعہ اور (ہماری خاطر اپنے رب سے دریافت کر دیجئے کہ وہ) اول بار کے سوال کا جواب ذرا اور واضح (ہم سے بیان کر دیں کہ اس کے اوصاف کیا کیا ہوں، کیونکہ ہم کو اس بیل میں) قدرے (اشتباہ) یہ باقی (ہے) کہ وہ معمولی بیل ہو گا یا کوئی اور عجیب وغریب جس میں تحقیق قاتل کا خاص اثر ہو (اور ہم ضرور ان شاء اللہ تعالیٰ) اس قصہ کو (ٹھیک سمجھ جائیں گے، موسیٰ) علیہ السلام (نے

جواب دیا کہ حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ وہ) کوئی عجیب وغریب جانور نہیں ہے، یہی معمولی بیل ہے، البتہ عمدہ ہونا چاہئے کہ اوصاف مذکورہ کے ساتھ (نہ تو ہل میں چلا ہوا ہو، جس سے زمین جوتی جائے، اور نہ) کنویں میں جوڑا گیا ہو کہ (اس سے زراعت کی آبپاشی کی جائے) غرض ہر قسم کے عیب سے (سالم ہو اور اس میں) کسی طرح کا (کوئی داغ نہ ہو) یہ سن کر (کہنے لگے کہ) ہاں (اب آپ نے پوری) اورصاف (بات فرمائی)۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح کے سوال کر کے بیل کے جو اوصاف ذکر ہوں گے اس طرح کا بیل شاید ملے ہی نہیں اور یوں وہ حکم سے بچ جائیں لیکن تلاش کرنے پر ویسا بیل مل گیا۔ انہوں نے مجبور ہو کر اس کو خریدا (پھر اس کو ذبح کر دیا، حالانکہ بظاہر کرتے ہوئے معلوم نہ ہوتے تھے)

فائدہ : 1۔ حدیث میں ہے کہ اگر وہ یہ حجتیں نہ کرتے تو اتنی قیدیں ان کے ذمہ نہ ہوتیں جو بھی بیل ذبح کر دیا جاتا کافی ہو جاتا۔

2- بعض حضرات نے بقرہ کا ترجمہ: گائے کیا ہے جب کہ یہاں بیل کیا گیا ہے تو مراد اصل جنس ہے خواہ گائے ہو یا بیل ہو۔

ربط: اوپر جو قصہ بیان ہوا اس کا ابتدائی حصہ اب آگے ذکر ہوتا ہے۔ ترتیب بدلنے کی وجہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی اس پورے قصہ میں دو بدعنوانیاں ہیں۔ ایک قتل کر کے واردات کو چھپانے کی کوشش کرنا دوسرے احکام خداوندی میں خواہ مخواہ کی حجتیں نکالنا۔ ان دونوں ہی کی طرف پوری توجہ دلانی مقصود ہے جو ترتیب بدلنے سے حاصل ہو رہی ہے ورنہ ترتیب قائم رکھنے سے ممکن ہے کہ صرف پہلی بدعنوانی کو اصل مقصود سمجھا جائے اور دوسری کو اس کا تتمہ سمجھ کر اصل مقصود نہ سمجھا جائے۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

ترجمہ: اور جب مار ڈالا تم نے ایک شخص کو پھر تم ایک دوسرے پر ڈالنے لگے اس کے بارے میں اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جو تم چھپاتے تھے، پھر ہم نے کہا مارو اس مردے پر اس بیل کا ایک ٹکڑا۔ اسی طرح زندہ کرے گا اللہ مردوں کو اور وہ دکھاتا ہے تم کو اپنے نظائر (ونمونے) تاکہ تم غور کرو۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب تم لوگوں) میں سے کسی (نے ایک آدمی کا خون کر دیا،

پھر اس کے بارے میں) اپنی براءت کے لئے جرم (ایک دوسرے پر ڈالنے لگے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اس امر کا ظاہر کرنا منظور تھا جس کو تم) میں کے مجرم ومشتبہ لوگ (مخفی رکھنا چاہتے تھے، اس لئے) بیل کے ذبح کے بعد (ہم نے حکم دیا کہ اس) مقتول کی لاش (کو اس) بیل کے کسی ٹکڑے سے چھودو) چنانچہ چھونے سے وہ زندہ ہوگیا، آگے اللہ تعالیٰ منکرین قیامت کے مقابلہ میں اس قصہ سے استدلال اور نظیر کے طور پر فرماتے ہیں کہ (اسی طرح حق تعالیٰ) قیامت میں (مردوں کو زندہ کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے نظائر) قدرت (تم کو دکھاتے ہیں اس توقع پر کہ تم عقل سے کام لیا کرو) اور ایک نظیر کو دیکھ کر دوسری نظیر کے انکار سے باز آؤ۔

یہاں یہ شبہ کرنا بھی درست نہیں کہ حق تعالیٰ کو تو مردہ زندہ کرنے کی ویسے ہی قدرت تھی، یا مقتول کو زندہ کئے بغیر قاتل کا نام بتایا جا سکتا تھا پھر اس سامان کی کیا ضرورت تھی، تو بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا کوئی فعل ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ مصلحت اور حکمت کے لئے ہوتا ہے اور ہر واقعہ کی حکمت اللہ تعالیٰ ہی کے احاطہ علمی میں آ سکتی ہے، نہ ہم اس کے مکلّف ہیں کہ ہر واقعہ کی مصلحت معلوم کریں اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر واقعہ کی حکمت ہماری سمجھ میں آ جائے، اس لئے اس کے پیچھے پڑ کر اپنی عمر عزیز ضائع کرنے کے بجائے بہتر طریقہ تسلیم وسکوت کا ہے۔

ربط: آگے ان واقعات اور خصوصی نعمتوں سے متاثر نہ ہونے پر شکایت فرماتے ہیں۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: پھر سخت رہے تمہارے دل اس (سب) کے بعد سو وہ ہیں جیسے پتھر یا (ان سے بھی) زیادہ سختی میں۔ اور پتھروں میں تو ایسے بھی ہیں جن سے جاری ہوتی ہیں نہریں اور ان میں ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور نکلتا ہے ان سے پانی اور ان میں ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے اور نہیں ہے اللہ بے خبر اس سے جو تم کرتے ہو۔

تفسیر: (ایسے ایسے واقعات کے بعد) چاہئے تھا کہ تم لوگوں کے دل بالکل نرم اور حق تعالیٰ کی

عظمت سے پر ہو جاتے لیکن (تمہارے دل پھر بھی سخت ہی رہے تو) یوں کہنا چاہئے کہ (ان کی مثال پتھروں کی سی ہے، یا) یوں کہئے کہ وہ (سختی میں ان سے) بھی (زیادہ) ہیں (اور) زیادہ سخت اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ (بعضے پتھر تو ایسے ہیں جن سے) بڑی بڑی (نہریں پھوٹ کر چلتی ہیں اور انہی پتھروں میں بعض ایسے ہیں کہ جوشق ہو جاتے ہیں، پھر ان سے) اگر زیادہ نہیں تو تھوڑا ہی (پانی نکل آتا ہے اور ان ہی پتھروں میں بعضے ایسے ہیں جو) دیگر طبعی اسباب کے علاوہ ایک سبب یعنی (خدا تعالیٰ کے خوف سے اوپر سے نیچے لڑھک آتے ہیں) جب کہ تمہارے قلوب میں کسی قسم کا اثر ہی نہیں ہوتا (اور) اس قساوت وسختی کی وجہ سے جو اعمال بد صادر ہوتے ہیں (حق تعالیٰ تمہارے) ان (اعمال سے بے خبر نہیں ہیں) بہت جلد تم کو سزا تک پہنچا دیں گے۔

ربط: مسلمان اس فکر وکوشش میں تھے کہ یہود بھی اسلام قبول کر لیں اور اس میں کلفت ومشقت اٹھاتے تھے۔ یہاں تک یہود کے حالات دکھا سنا کر مسلمانوں کی امید کو قطع کیا تا کہ وہ کلفت اور پریشانی میں مبتلا نہ ہوں اور بتایا کہ ان یہود کے تو تمام طبقات خواہ وہ عام پڑھے لکھے ہوں یا ناخواندہ ہوں یا علماء ہوں ان سے مجموعی طور پر ایمان کی توقع عبث ہے کیونکہ یہ سب طبقے ایسی خرابیوں میں مبتلا ہیں جو ہدایت کے لئے رکاوٹ بنتی ہیں۔

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾

ترجمہ: کیا (اب بھی) تم (اے مسلمانو!) توقع رکھتے ہو کہ وہ ایمان لے آئیں گے تمہارے کہنے سے حالانکہ گذرے ہیں کچھ لوگ ان میں سے کہ سنتے تھے کلام الٰہی کو پھر بدل ڈالتے تھے اس کے بعد کہ سمجھ لیا انہوں نے اس کو اور وہ جانتے تھے۔

تفسیر: اے مسلمانو! (کیا) یہ سارے قصے سن کر (اب بھی تم توقع رکھتے ہو کہ یہ) یہودی (تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے، حالانکہ) ان سب مذکورہ قصوں سے بڑھ کر ایک اور بات بھی ان سے ہو چکی ہے کہ (ان میں کچھ لوگ ایسے گذرے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے اور پھر اس کو کچھ کا کچھ کر ڈالتے تھے) اور (اس کو سمجھنے کے بعد) ایسا کرتے (اور) غضب یہ ہے کہ یہ بھی (جانتے تھے) کہ ہم برا کر رہے ہیں، محض نفسانی اغراض اس کارروائی کا باعث ہوئیں۔

تو جو لوگ ایسے بیباک اور نفسانی اغراض کے اسیر ہوں وہ کسی کے کہنے سننے سے کب باز آنے والے اور کسی کی کب سننے والے ہیں۔

ربط : اور جو یہود نزول قرآن کے وقت موجود ہیں انکا حال یہ ہے کہ ان کے کچھ پڑھے لکھے لوگ یہ چالاکیاں کرتے ہیں۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

ترجمہ: اور جب ملتے ہیں مسلمانوں سے کہتے ہیں ہم (بھی) ایمان لے آئے اور جب تنہا ہوتے ہیں ان کے بعض دوسروں کے پاس تو کہتے ہیں کیا تم کہہ دیتے ہو ان سے جو ظاہر کیا اللہ نے تم پر تا کہ وہ حجت قائم کر دیں تم پر اس سے تمہارے رب کے پاس۔ کیا تم نہیں سمجھتے۔

تفسیر: (اور جب ملتے ہیں) منافق یہودی (مسلمانوں سے تو) ان سے تو (کہتے ہیں کہ ہم) بھی (ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہائی میں جاتے ہیں یہ بعضے) منافق یہودی (دوسرے بعضے) علانیہ یہودیوں (کے پاس) تو ان سے ان کی معیت وہم مشربی کے مدعی ہوتے ہیں اس وقت (وہ) دوسرے یہودی (ان سے کہتے ہیں کہ تم) یہ (کیا) غضب کرتے ہو کہ (مسلمانوں کو) خوشامد میں (وہ باتیں بتا دیتے ہو جو) ان کے مفید مذہب (اللہ تعالیٰ نے) توریت میں (تم پر منکشف کر دی ہیں) اور جن کو ہم مصلحت سے پوشیدہ رکھتے ہیں تمہاری اس حرکت کا (نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ تم کو حجت میں مغلوب کر دیں گے اور تم پر الزام قائم کریں گے تمہارے پروردگار کے سامنے کہ رسول اللہ ﷺ کو سچ جان کر بھی ایمان نہ لائے۔ کیا تم) اتنی موٹی سی بات (نہیں سمجھتے)۔ یہ لوگ بڑے ہی احمق ہیں کیونکہ۔

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝

ترجمہ: کیا (اتنا بھی) نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

تفسیر: (کیا ان کو اس کا علم نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کو سب خبر ہے ان چیزوں کی بھی جن کو وہ مخفی رکھتے ہیں اور ان کی بھی جن کا وہ اظہار کرتے ہیں) تو اگر منافقین نے مومنین سے اپنا کفر چھپایا تو کیا اور ان ملامت گروں نے حضور ﷺ کی بشارت وغیرہ کے مضامین چھپائے تو کیا، اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں مضامین سے مسلمانوں کو جابجا مطلع فرما دیا۔

ربط: اور ان کے ناخواندہ لوگوں کا حال یہ ہے کہ

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ إِلَّآ أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾

ترجمہ: اور ان کے بعض بے پڑھے ہیں کہ علم نہیں رکھتے کتاب کا سوائے جھوٹی آرزوؤں کے اور کچھ نہیں وہ لوگ مگر خیالات پکاتے ہیں۔

تفسیر: (اور ان) یہودیوں (میں بہت سے ناخواندہ) بھی (ہیں جو کتابی علم نہیں رکھتے لیکن) بلاسند (دل خوش کن باتیں) بہت یاد ہیں مثلاً یہ کہ جنت میں یہودیوں کے سوا کوئی نہیں جائے گا اور یہ کہ ہمارے باپ دادا ہم کو ضرور بخشوا لیں گے۔ (اور وہ لوگ کچھ اور نہیں) ویسے ہی بے بنیاد (خیالات پکا لیتے ہیں) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ تو ان کے علماء نے ان کو ناقص اور باطل کی ملاوٹ والی تعلیم دی ہے اور پھر اوپر سے خود ان میں سمجھ اور فہم کی کمی ہے، ایسی صورت میں سوائے بے بنیاد خیالات کے واقعی حقائق کی تحقیق کہاں نصیب ہوسکتی ہے، بقول شخصے ''کریلا اور نیم چڑھا'' اس میں مٹھاس کہاں۔

ربط: اور رہے ان کے علماء تو وہ کتاب الٰہی میں خیانت کے مجرم ہیں اور یہی عوام کی توہم پرستی کا بڑا سبب ہے اور اس سے ان علماء کو بھی کچھ مال مل جاتا تھا۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾

ترجمہ: سو خرابی ہے ان کے لئے جو لکھتے ہیں کتاب (یعنی تورات) اپنے ہاتھ سے، پھر کہہ دیتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ لیں اس پر قیمت تھوڑی، سو خرابی ہے ان کے لئے اس سے جو لکھا ان کے ہاتھوں نے اور خرابی ہے ان کے لئے اس سے جو وہ کماتے ہیں۔

تفسیر: جب مذکورہ عوام زجر و توبیخ کے قابل ہیں اور ان کے جہل کا اصلی سبب ان کے علماء ہی

ہیں (تو بڑی خرابی ان) علماء (کی ہوگی جو) بدل سدل کر (کتاب) توریت (کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں) اور (پھر) عوام سے (کہہ دیتے ہیں کہ یہ) حکم (خدا کی طرف سے) یوں ہی آیا (ہے) اور (غرض) صرف (یہ ہوتی ہے کہ اس ذریعہ سے کچھ نقد قدرے قلیل وصول کر لیں، سو بڑی خرابی) پیش (آئے گی ان کی اس) تحریف (تحریر کی بدولت) بھی (جس کو ان کے ہاتھوں نے لکھا ہے اور بڑی خرابی ہوگی ان کے لئے اس) نقد (کی بدولت) بھی (جو وہ کماتے ہیں)۔

ربط: یہود کے یہ تینوں طبقے اپنی بدکرداری اور بدعملی کے باوجود یہ دعویٰ کرتے تھے کہ اگر ان کو جہنم میں داخل بھی کیا گیا تو وہ چند دنوں میں چھوٹ جائیں گے۔ ان کے اس دعوے کی وجہ انکا یہ زعم تھا کہ دین موسوی منسوخ نہیں ہوا لہذا وہ مومن ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے انکار سے کافر نہیں ہوئے لہذا اگر کسی نافرمانی کے سبب سے دوزخ میں چلے بھی گئے پھر نکال لئے جائیں گے۔ لیکن چونکہ دین موسوی کی ابدیت کا دعوی خود غلط ہے لہذا ان دو رسولوں کی نبوت کے انکار کے سبب سے وہ کافر ہوئے اور کافروں کے لئے کچھ دنوں بعد دوزخ سے رہائی پا جانا کسی بھی آسمانی کتاب میں نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں عہد سے تعبیر کیا۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰

ترجمہ: اور کہا ہرگز نہ چھوئے گی ہم کو آگ مگر چند روز گنے چنے۔ کہہ دو کیا لے چکے ہو تم اللہ کے یہاں عہد کہ اب ہرگز نہ خلاف کرے گا اللہ اپنے عہد کے یا کہتے ہو اللہ پر جو تم نہیں جانتے۔

تفسیر: (اور یہودیوں نے) یہ بھی (کہا کہ ہم کو آتش) دوزخ (ہرگز نہیں چھوئے گی) ہاں (مگر) بہت (تھوڑے روز جو) انگلیوں پر (شمار کر لئے جا سکیں)۔ اے محمد ﷺ (آپ) اس کے جواب میں ان سے (یوں فرما دیجئے کیا تم لوگوں نے حق تعالیٰ سے) اس کے متعلق (کوئی معاہدہ لے لیا ہے، کہ اب اللہ تعالیٰ اپنے معاہدہ کے خلاف نہ کریں گے یا معاہدہ نہیں لیا بلکہ ویسے ہی (اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگا رہے ہو، جس کی کوئی علمی سند اپنے پاس نہیں رکھتے)۔

مذکورہ بالا رد کے بعد ایک ضابطہ بیان کرنے میں جس کی رو سے یہ لوگ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً
وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٨١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٨٢﴾

ترجمہ: کیوں نہیں۔ جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے سو وہی ہیں دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک وہی ہیں جنت والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر: اے یہودیو! تم دعویٰ کرتے ہو کہ چند روز کے سوا تم کو آتش دوزخ نہیں لگے گی۔ (کیوں نہیں) لگے گی، بلکہ تم کو ابدالآباد تک اس میں رہنا ضروری ہے، کیونکہ ہمارا ضابطہ یہ ہے کہ (جو شخص) کفر کا (گناہ کرتا رہے اور اس کی خطا) وقصور (اس کا) اس طرح (احاطہ کر لے) کہ کہیں بھی یہاں تک کہ دل میں بھی نیکی اور ایمان کا اثر تک نہ رہے اور اے یہودیو تمہارے کفر کا بھی یہی حال ہے (سو ایسے لوگ اہل دوزخ ہوتے ہیں) اور (وہ اس میں ہمیشہ) ہمیشہ (رہیں گے۔ اور جو لوگ) اللہ اور رسول ﷺ پر (ایمان لائیں اور نیک کام کریں ایسے) لوگ (اہل جنت ہوتے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ (رہیں گے)

ربط: مذکورہ بالا ضابطہ کے ضمن میں یہ بتانے کے بعد کہ یہودی بھی کافر اور ہمیشہ کے جہنمی ہیں آگے ان کے کچھ گناہ اور ان کی کچھ کفریات ذکر کرتے ہیں۔

پہلی بدعملی: اللہ تعالیٰ سے بدعہدی

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا
وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا
وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ
وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٨٣﴾

ترجمہ: اور جب لیا ہم نے عہد بنی اسرائیل سے کہ نہ عبادت کرو گے مگر اللہ کی اور ماں باپ سے نیک سلوک کرنا اور قرابت والوں سے اور یتیموں اور محتاجوں سے اور کہو سب لوگوں سے اچھی بات) اور قائم رکھو نماز اور اور دیتے رہو زکوۃ۔ پھر تم پھر گئے مگر تھوڑے تم میں سے اور تم ہو (ہی) پھرنے والے۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب لیا ہم نے) توریت میں (بنی اسرائیل سے قول وقرار کہ عبادت مت کرنا) کسی کی (سوائے اللہ کے اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گزاری کرنا اور اہل قرابت کی بھی اور یتیموں کی بھی، اور غریب محتاجوں کی بھی اور عام لوگوں سے) جب کوئی (بات) کہنا ہو تو (اچھی طرح) خوش خلقی سے (کہنا اور نماز کی پابندی رکھنا اور زکوٰۃ ادا کرتے رہنا پھر تم) قول وقرار کر کے (اس سے پھر گئے سوائے تم میں سے گنتی کے چند لوگوں کے اور) تمہاری تو معمول کی عادت ہے کہ (تم) کہ اقرار کر کے (پھر جاتے ہو)۔

یہ گنتی کے چند لوگ وہ ہیں جو توریت کے پورے پابند رہے، اسلام لانے سے قبل موسوی شریعت کے پابند رہے، اور اسلام لانے کے بعد شریعت محمد یہ ﷺ کے متبع ہو گئے۔

ربط: مذکورہ عہد ہی کا ایک حصہ یہ بھی تھا۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ
وَلَا تُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿٨٤﴾

ترجمہ: اور جب لیا ہم نے وعدہ تم سے کہ نہ بہاؤ گے خون آپس کے اور نہ نکالو گے اپنوں کو اپنے وطن سے پھر تم نے اقرار کر لیا اور تم مانتے ہو۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب ہم نے تم سے یہ قول وقرار) بھی (لیا کہ) خانہ جنگی کر کے (باہم خونریزی مت کرنا اور ایک دوسرے کو ترک وطن مت کرانا) یعنی کسی کو آزار پہنچا کر اتنا تنگ مت کرنا کہ وہ ترک وطن پر مجبور ہو جائے) پھر ہمارے اس اقرار لینے پر (تم نے اقرار بھی کر لیا اور) اپنے اقرار وعہد کرنے کو (تم مانتے بھی ہو)۔

ربط: اس باب میں ان پر تین حکم لازم تھے، اول قتل نہ کرنا، دوم اخراج یعنی ترک وطن نہ کرانا، سوم اپنی قوم میں سے کسی کو قید و بند میں گرفتار دیکھیں تو روپیہ خرچ کر کے چھڑا دینا، تو ان لوگوں نے پہلے دو حکموں کو تو چھوڑ دیا اور تیسرے حکم کا اہتمام کرنے لگے اس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ اہل مدینہ میں دو قومیں تھیں اوس اور خزرج، اور ان میں باہم عداوت رہتی تھی اور کبھی کبھی جنگ کی نوبت بھی آ جاتی تھی اور

مدینہ کے گرد ونواح میں یہودیوں کی دوقومیں بنی قریظہ اور بنی نضیر آباد تھیں، اوس و بنی قریظہ کی باہم دوستی تھی جبکہ خزرج و بنی نضیر میں باہم یارانہ تھا، جب اوس وخزرج میں باہم لڑائی ہوتی تو دوستی کی بناء پر بنی قریظہ تو اوس کے مددگار ہوتے اور بنی نضیر خزرج کی طرفداری کرتے۔ تو جہاں اوس وخزرج مارے جاتے اور جلا وطن ہوتے تو ان کے دوستوں اور حامیوں کو بھی یہ مصیبت پیش آتی۔ اور ظاہر ہے کہ بنی قریظہ کے قتل واخراج میں بنی نضیر کا بھی ہاتھ ہوتا اور ایسا ہی بالعکس۔ البتہ یہود کی دونوں جماعتوں میں سے اگر کوئی جنگ میں قید ہو جاتا تو ہر جماعت اپنے دوستوں کو مال پر راضی کر کے اس قیدی کو رہائی دلا دیتے اور کوئی پوچھتا کہ ایسا کیوں کرتے ہو تو اس کو جواب دیتے کہ اسیر کو رہا کرا دینا ہم پر واجب ہے۔ اور اگر کوئی قتل وقتال میں معین و مددگار بننے پر اعتراض کرتا تو کہتے کہ کیا کریں دوستوں کا ساتھ نہ دینے سے عار آتی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کی شکایت فرمائی اور ان کی حیلہ سازیوں کا پردہ چاک فرمایا ہے۔

پھر اس کے بعد عہد شکنی پر ملامت و شکایت کے ساتھ ساتھ سزا کو بھی صراحت کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ
فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ
اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ
مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ
الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۸۵

ترجمہ: پھر تم وہ لوگ ہو کہ قتل کرتے ہو اپنے لوگوں کو اور نکال دیتے ہو اپنے کچھ لوگوں کو ان کے وطن سے۔ امداد کرتے ہو ان کے خلاف گناہ اور ظلم کے ساتھ اور اگر وہی آئیں تمہارے پاس (کسی کے قیدی) ہو کر تو تم فدیہ دے کر چھڑاتے ہو ان کو، حالانکہ حرام ہے تم پر ان کا ترک وطن کرانا بھی۔ کیا پس تم مانتے ہو بعض کتاب کو اور انکار کرتے ہو بعض کا، سو نہیں سزا اس کی جو میں یہ کام کرتا ہے تم میں سے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن لوٹائے

جائیں گے سخت سے سخت عذاب میں۔ اور نہیں ہے اللہ بے خبر اس سے جو تم عمل کرتے ہو۔

تفسیر: (پھر) اس صریح اقرار کے بعد (تم) جیسے ہو (یہ) آنکھوں کے سامنے موجود ہے کہ تم ہی لوگ (ہو کہ باہم قتل وقتال بھی کرتے ہو اور ایک دوسرے کو ترک وطن بھی کراتے ہو) اس طور پر کہ (ان اپنوں کے مقابلہ میں) ان کی مخالف قوموں یعنی اوس وخزرج کی (امداد کرتے ہو گناہ اور ظلم کے ساتھ) کہ گناہ یعنی حکم الٰہی کی خلاف ورزی کر کے حق اللہ کو ضائع کرنے کے ساتھ اور ظلم یعنی دوسروں کو آزاء پہنچا کر حق العباد ضائع کرنے کے ساتھ سو ان دونوں حکموں کو تو یوں غارت کیا (اور) ایک تیسرا حکم جو آسان سا سمجھا اس پر عمل کرنے کو خوب تیار رہتے ہو کہ (اگر ان لوگوں میں سے کوئی گرفتار ہو کر تم تک پہنچ جاتا ہے تو ایسوں کو کچھ فدیہ دے کر رہا کرا دیتے ہو حالانکہ یہ بات) بھی معلوم (ہے کہ) قتل تو بڑی بات ہے (تم کو تو ان کا ترک وطن کرا دینا بھی) ممنوع و (حرام ہے)۔

(کیا تو) بس یوں کہو کہ (کتاب) توریت (کے بعض) احکام (پر تم ایمان رکھتے ہو اور بعض) احکام (پر ایمان نہیں رکھتے۔ ایسے شخص کی جو تم لوگوں میں سے ایسی حرکت کرے اور کیا سزا ہو سوائے رسوائی کے دنیوی زندگانی میں اور روز قیامت کو بڑے سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں گے) اور اللہ تعالیٰ کچھ (بے خبر نہیں ہیں تمہارے) برے (اعمال سے)۔

دنیا میں ذلت و رسوائی کا وقوع اس طرح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہی مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کی خلاف ورزی کرنے کے سبب بنی قریظہ قتل وقید کئے گئے اور بنی نضیر ملک شام کی طرف بڑی ذلت وخواری کے ساتھ نکال دیئے گئے۔ اور آخرت کی سزا کی وجہ یہ ہے کہ

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٨٦﴾

ترجمہ: یہ وہی ہیں جنہوں نے خرید لی حیات دنیوی آخرت کے بدلے سو نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔

تفسیر: (یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے) احکام الٰہی کی مخالفت کر کے (دنیاوی زندگانی) کے مزوں (کو لے لیا ہے آخرت) کی نجات (کے عوض میں) جس کا ذریعہ اطاعت ہے (سو نہ تو) سزا دینے والے کی طرف سے (ان کی سزا میں) کچھ (تخفیف کی جائے گی اور نہ) کسی وکیل، مختار یا دوست رشتہ دار کی طرف سے (وہ مدد کئے جائیں گے) کیونکہ اللہ کی مقابلہ میں کسی کو کچھ بھی مدد کرنے کی طاقت نہ ہوگی۔

یہود کا پہلا کفر

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ
وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۖ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ
وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ اَفَكُلَّمَا جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى
اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۤ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝۸۷

ترجمہ: اور بے شک دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور پے در پے بھیجے ہم نے اس کے پیچھے رسول اور دیئے ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلے دلائل اور تائید دی ہم نے اس کو روح پاک سے۔ کیا پھر جب کبھی لایا تمہارے پاس کوئی رسول وہ حکم جو نہ پسند کیا تمہارے نفوس نے تو تم تکبر کرنے لگے پھر ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور بعضوں کو تم قتل ہی کر ڈالتے تھے۔

تفسیر: (اور ہم نے) اے بنی اسرائیل تمہاری ہدایت کے لئے ہمیشہ سے بڑے بڑے سامان کئے سب سے اول (موسیٰ علیہ السلام کو کتاب) تورات (دی اور) پھر (ان کے بعد) درمیان میں (یکے بعد دیگرے) برابر مختلف (پیغمبروں کو بھیجتے رہے اور) پھر اس خاندان کے سلسلہ کے اخیر میں (ہم نے عیسیٰ بن مریم کو) نبوت کے (واضح دلائل) یعنی انجیل اور معجزات (عطا فرمائے اور ہم نے ان کو روح القدس) یعنی جبرئیل علیہ السلام (سے) جو (تائید دی) سو الگ جو بجائے خود ایک واضح دلیل تھی۔ تو (کیا) تعجب کی بات نہیں کہ اس پر بھی تم سرکشی کرتے رہے اور (جب کبھی) بھی (کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام لائے جن کو تمہارے دل نہ چاہتے تھے) جب ہی (تم نے) ان پیغمبروں کی اطاعت سے (تکبر کرنا شروع کر دیا سو) ان پیغمبروں میں سے (بعضوں کو تو) نعوذ باللہ (تم نے جھوٹا بتایا اور بعضوں کو) بے دھڑک (قتل ہی کر ڈالتے تھے)۔

دوسرا کفر

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝۸۸

ترجمہ: اور وہ کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہے بلکہ لعنت کی ہے ان پر اللہ نے ان کے کفر کے سبب سو بہت تھوڑا ایمان لاتے ہیں۔

تفسیر: (اور وہ) یہودی فخر کے طور پر (کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر) ہمارے آبائی مذہب کا (غلاف ہے) اور غلاف اپنے اندر کی چیز کو محفوظ رکھتا ہے لہٰذا ہمارے دل ایسے محفوظ ہیں) کہ اس میں

مخالف مذہب کا جو اسلام ہے اثر ہی نہیں ہوتا، غرض اپنے مذہب پر ہم خوب پختہ ہیں، حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ محفوظ ہونا اور پختہ ہونا نہیں ہے (بلکہ ان کے کفر کے سبب ان پر خدا کی مار ہے) کہ اسلام جو مذہب حق ہے اس سے بیزار اور منسوخ مذہب پر مصر ہیں (سو بہت ہی تھوڑا سا ایمان رکھتے ہیں) جو ان چیزوں پر ہے جو ان کے مذہب اور اسلام میں مشترک ہیں مثلاً خدا کا قائل ہونا، قیامت کا قائل ہونا کہ ان امور کے وہ بھی قائل تھے، لیکن خود نبوت محمدیہ اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے منکر تھے، اس لئے پورا ایمان نہ تھا۔ اور اس تھوڑے ایمان کو لغت کے اعتبار سے ایمان کہا جس کے معنی مطلق یقین کے ہیں، گو وہ بعض اشیاء کے ساتھ ہی متعلق ہو، لیکن شرعاً اس کو ایمان نہیں کہتے کیونکہ شرعاً وہ ایمان معتبر ہے جو دین کی تمام باتوں پر یقین کے ساتھ ہو لہٰذا وہ کافر ہی ٹھہرے۔

تیسرا کفر

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

ترجمہ: اور جب آئی ان کے پاس کتاب اللہ کی طرف سے سچا بتانے والی اس (کتاب) کو جو ان کے پاس ہے اور وہ پہلے خود سے بیان کرتے تھے کافروں سے، پھر جب آ گئی ان کے پاس جس کو پہچان رکھا تھا تو انکار کیا اس کا سو لعنت ہے اللہ کی منکروں پر۔

تفسیر: (اور جب ان کو) ایک (ایسی کتاب پہنچی) یعنی قرآن مجید (جو منجانب اللہ ہے) اور (اس) کتاب یعنی تورات (کی) بھی (تصدیق کرنے والی ہے جو) پہلے سے (ان کے پاس ہے حالانکہ اس کے قبل) خود (بیان کرتے تھے کفار سے) یعنی مشرکین عرب سے کہ ایک نبی آنے والے ہیں اور ایک کتاب لانے والے ہیں مگر (پھر جب وہ چیز آ پہنچی جس کو وہ) خوب جانتے (پہچانتے ہیں تو) اب دل سے نہ مان کر (اس کا) صاف (انکار کر بیٹھے سو) بس (خدا کی مار ہو ایسے منکروں پر) کہ جان بوجھ کر محض تعصب کے سبب انکار کرتے ہیں۔

ربط: آگے بتاتے ہیں کہ یہود کے حق سے کفر کرنے کی وجہ حسد ہے۔ لہٰذا فرمایا:

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ

اَنۡفُسَهُمۡ اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بَغۡيًا اَنۡ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ‌ۚ فَبَآءُ وۡ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ‌ؕ وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ۝۹۰

ترجمہ: بری چیز ہے وہ بیچا انہوں نے جس کے بدلے اپنے آپ کو کہ انکار کرتے ہیں اس چیز کا جو اتاری اللہ نے اس ضد پر کہ اتارے اللہ اپنے فضل سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے، سو لوٹے غصہ پر غصہ کے ساتھ اور کافروں کے واسطے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔

تفسیر: وہ حالت بہت ہی (بری ہے جس کے بدلے) انہوں نے اپنی جانوں کو بیچا یعنی اس بری حالت کو ترجیح دی اور وہ حالت (یہ) ہے کہ (کفر) یعنی انکار (کرتے ہیں ایسی چیز) یعنی قرآن (کا جو حق تعالیٰ نے) ایک سچے پیغمبر پر (نازل فرمائی) اور وہ انکار بھی (محض) اس (ضد پر کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جس بندہ پر اس کو منظور ہو) یعنی محمد ﷺ پر، کیوں (نازل فرما دے سو) اس حسد بالائے کفر سے (وہ لوگ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے) یعنی ایک غضب کفر پر اور ایک حسد پر اور آخرت میں (ان کفر کرنے والوں کو ایسی سزا ہو گی جس میں) تکلیف کے علاوہ (ذلت) بھی ہے، برخلاف اس عذاب کے جو گناہگار مومن کو ہو گا کہ وہ پاک کرنے کے لئے ہو گا ذلت کے لئے نہیں۔

چوتھا کفر اس سے یہود کا حسد بھی معلوم ہوتا ہے

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا وَيَكۡفُرُوۡنَ بِمَا وَرَآءَهٗ‌ وَهُوَ الۡحَـقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمۡ‌ؕ قُلۡ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝۹۱

ترجمہ: اور جب کہا جاتا ہے ان سے مانو اس کو جو اتارا ہے اللہ نے (تو) کہتے ہیں ہم مانتے ہیں جو اتارا گیا ہے ہم پر اور وہ انکار کرتے ہیں اس کام جو اس کے علاوہ ہے۔ حالانکہ وہ حق ہے اور تصدیق کرنے والا ہے اس (کتاب) کی جو ان کے پاس ہے۔ کہہ دو پھر کیوں قتل کرتے رہے ہو اللہ کے پیغمبروں کو پہلے سے اگر تم ایمان رکھتے تھے۔

تفسیر: (اور جب ان) یہودیوں (سے کہا جاتا ہے کہ تم ایمان لاؤ ان تمام کتابوں پر جو اللہ نے) متعدد پیغمبروں پر (نازل فرمائی ہیں) اور ان تمام کتابوں میں قرآن بھی ہے (تو) جواب میں (کہتے ہیں کہ ہم) تو صرف (اس) ہی (کتاب) یعنی تورات (پر ایمان لائیں گے جو ہم) لوگوں (پر) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے (نازل کی گئی ہے) اس بات سے ان کا حسد ٹپکتا ہے (اور اس کے علاوہ) باقی (جتنی) کتابیں (ہیں) جیسے انجیل اور قرآن (ان) سب (کا انکار کرتے ہیں) یہ پورا قول صریحی کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو تین طرح سے رد فرمایا ہے اولاً یہ کہ (حال یہ ہے کہ وہ) یعنی تورات کے ماسوا کتابیں (بھی) فی نفسہ (حق) اور واقعی ہیں پھر ان کے انکار کی کیا وجہ؟۔ (اور) دوم فی نفسہ حق ہونے کے علاوہ تصدیق کرنے والی بھی ہیں تورات کی جو ان کے پاس ہے تو اس انکار سے تو خود تورات کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اور سوم آپ یہ بھی (کہئے کہ) اچھا تو (پھر کیوں قتل کیا کرتے تھے اللہ کے پیغمبروں کو اس سے پہلے اگر تم) تورات پر (ایمان رکھنے والے تھے۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنا تمام آسمانی کتابوں کی رو سے کفر ہے، پھر تمہارے گروہ کے لوگوں نے جو بہت سے نبیوں کو قتل کیا جن کی تعلیم بھی تورات ہی کے احکام کے ساتھ خاص تھی، اور تم ان قاتلوں کو اپنا پیشوا اور مقتدا سمجھتے ہو، تو براہ راست تورات کے ساتھ کفر کرتے ہو، اس سے تو تمہارا تورات پر ایمان کا دعویٰ بھی غلط ٹھہرتا ہے، غرض کسی بھی پہلو سے تمہارا قول وفعل صحیح اور درست نہیں۔

پانچواں کفر

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾

ترجمہ: اور لایا تمہارے پاس موسیٰ کھلے دلائل پھر بنا لیا تم نے بچھڑا اس کے پیچھے اور تم ظالم تھے۔

تفسیر: (اور) حضرت (موسیٰ) علیہ السلام (تم لوگوں کے پاس) توحید و رسالت کی (صاف صاف دلیلیں لائے) مگر (اس پر بھی تم لوگوں نے بچھڑے کو) معبود (بنا لیا موسیٰ) علیہ السلام (کے) طور پر جانے کے (بعد اور تم) گوسالہ پرستی کی اس تجویز میں (ظلم ڈھا رہے تھے)

فائدہ: گوسالہ کو معبود بنانے کا معاملہ اگرچہ ان یہودیوں کے ساتھ پیش نہیں آیا تھا جو حضور ﷺ کے زمانے میں نزول قرآن کے وقت موجود تھے، مگر چونکہ یہ لوگ اپنے اجداد کے حامی اور طرفدار رہتے تھے، اس لئے فی الجملہ یہ لوگ بھی کفر وانکار میں شامل ہیں۔

چھٹا کفر

وَاِذْ اَخَذْنَا
مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ
قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ
قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ : اور جب لیا ہم نے وعدہ تمہارا اور بلند کیا ہم نے تمہارے اوپر کوہ طور کو پکڑو جو دیا ہم نے تم کو مضبوطی سے اور سنو۔ بولے سنا ہم نے اور نہ مانا ہم نے اور پیوست کر دیا گیا ان کے دلوں میں وہی بچھڑا (یعنی اس کی محبت) بسبب ان کے کفر کے۔ کہہ دے کہ بری باتیں ہیں جو سکھاتا ہے تم کو ایمان تمہارا اگر تم ایمان والے ہو۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب ہم نے تمہارا وعدہ لیا تھا اور) اس وعدہ لینے کے لئے کوہ (طور کو تمہارے) سروں کے اوپر (لا کھڑا کیا تھا) اور اس وقت حکم دیا تھا کہ (لو جو کچھ) احکام (ہم تم کو دیتے ہیں ہمت) اور پختگی (کے ساتھ لے لو اور) ان احکام کو دل سے (سنو)۔ اس وقت (انہوں نے) ڈر کے مارے زبان سے تو (کہہ دیا کہ ہم نے) قبول کر لیا اور (سن لیا اور) چونکہ واقع میں یہ بات دل سے نہ تھی اس لئے گویا بزبان حال یوں بھی کہہ رہے تھے کہ (ہم نے نہ مانا) اس لئے ہم سے عمل نہ ہوگا اور ان کی اس بد دلی کی وجہ یہ تھی کہ (ان کے قلوب) کے ریشہ ریشہ (میں وہی گوسالہ پیوست ہو گیا تھا ان کے سابقہ کفر کی وجہ سے) جب کہ دریائے قلزم سے اتر کر انہوں نے ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر درخواست کی تھی کہ ہمارے لئے کوئی ایسا ہی مجسم معبود تجویز کر دیا جائے (آپ ﷺ فرما دیجئے) کہ دیکھ لیا تم نے اپنے مزعومہ ایمان کے افعال کو (سو اگر تم) بزعم خود اب بھی (اہل ایمان ہو) تو (یہ افعال تو بہت برے ہیں جن کی تعلیم تمہارا ایمان تم کو کر رہا ہے) اور اصل ایمان چونکہ ایسے برے افعال کی تعلیم ہی نہیں کرتا لہذا تمہیں ایمان حاصل ہی نہیں ہے۔

یہود کے کفر کو جانچنے کا معیار

یہود کا دعویٰ تھا کہ ہم دین حق پر ہیں اور با ایمان ہیں لہٰذا آخرت میں ہم کو تو ضرور نجات ملے گی۔ ہم میں سے جو تائب ہیں یا ان پر رحم کیا گیا ہے ان کو تو ابتداء ہی سے جنت میں داخلہ مل جائے گا اور جو گناہ گار ہیں وہ چند روز عذاب بھگت کر نجات پا جائیں گے اور جو فرمانبردار ہیں وہ تو محبوب و مقرب

ہیں۔ایمان کی نفی کی دلیل اس طرح ہوئی کہ کہا اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو آخرت حاصل کرنے کی خواہش بھی ہوگی جس کی وجہ سے موت کی تمنا کرنا بھی آسان ہو جاتا ہے تو تم آخرت حاصل کرنے کے لئے موت کی تمنا کرو لیکن یہ تم کبھی نہ کرو گے کیونکہ تم اپنے کفر سے خوب باخبر ہو لہٰذا فرمایا۔

قُلْ اِنْ

كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ
فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ
اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ
عَلٰى حَيٰوةٍ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۛ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ
سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ
بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

ترجمہ: کہہ دے کہ اگر ہے تمہارے لیے آخرت کا گھر اللہ کے ہاں خالص (تمہارے لیے) علاوہ اور لوگوں کے تو تم موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو۔اور ہرگز نہ آرزو کریں گے موت کی کبھی بسبب ان (گناہوں) کے کہ جو پہلے کر چکے ہیں ان کے ہاتھ اور اللہ خوب جانتا ہے ان ظالموں کو۔اور تو ضرور پائے گا ان کو زیادہ سب حریص لوگوں سے زندگی پر اور (زیادہ حریص) مشرکوں سے بھی۔چاہتا ہے ایک ایک ان کا کہ عمر دیا جائے ہزار برس اور نہیں بچانے والا اس کو عذاب سے (اس قدر) عمر دیا جانا اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

تفسیر: اے محمد ﷺ (آپ) ان لوگوں سے (کہہ دیجئے کہ اگر) بقول تمہارے (عالم آخرت محض تمہارے ہی لئے ہے بلاشرکت غیرے تو اگر تم) اس دعوے میں (سچے ہو تو) اس کی تصدیق کے لئے ذرا (موت کی تمنا کر کے دکھا دو اور) ہم ساتھ ہی یہ بھی کہے دیتے ہیں کہ (ان اعمال) کفریہ کی سزا کے خوف (کی وجہ سے جو اپنے ہاتھوں یہ کر چکے ہیں یہ لوگ ہرگز کبھی اس) موت (کی تمنا نہ کریں گے) اور اللہ تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں (کے حال (کی)۔جب مقدمہ کی تاریخ آئے گی فرد قرارداد جرم سنا کر سزا کا حکم کر دیا جائے گا۔(اور) وہ لوگ موت کی تمنا کیا خاک کرتے (آپ) تو (ان کو حیات) دنیوی (کا) دیگر عام (آدمیوں سے) بھی (بڑھ کر حریص پائیں گے اور) اوروں کا تو کیا

ذکر حیرت تو یہ ہے کہ بعض (مشرکین سے بھی) بڑھ کر آپ ان کو حیات کا حریص دیکھیں گے حالانکہ مشرکین عرب تو آخرت کے منکر تھے اس لئے وہ اگر طویل عمر کی تمنا کریں تو کچھ تعجب نہیں مگر یہود تو آخرت کے قائل ہیں اور اپنے آپ کو جنت کا مستحق کہتے ہیں اور ان کی یہ کیفیت ہے کہ ان کا (ایک ایک) شخص (اس ہوس میں ہے کہ اس کو ہزار برس کی عمر دی جائے اور) بھلا بالفرض اگر اتنی عمر ہو بھی گئی تو کیا فائدہ (یہ امر عذاب سے تو بچا نہیں سکتا کہ) کسی کی بڑی (عمر ہو جائے اور حق تعالیٰ کے پیش نظر ان کے سب اعمال) بد (ہیں) جن پر ان کو عذاب ہونے والا ہے۔

ساتواں کفر

بعض یہود نے حضور ﷺ سے یہ سن کر کہ جبریل علیہ السلام وحی لاتے ہیں کہا کہ ان سے تو ہماری عداوت ہے، ہماری قوم پر ہولناک واقعات اور سخت سخت احکامات انہی کے ذریعے آتے رہے ہیں، میکائیل خوب ہیں کہ بارش اور رحمت ان کے متعلق ہے، اگر وہ وحی لایا کرتے تو ہم مان لیتے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

ترجمہ: تو کہہ دے جو کوئی ہوا دشمن جبریل کا سو اس نے تو اتارا ہے اس (کلام) کو تیرے دل پر حکم الٰہی سے اس حال میں کہ (یہ کلام) سچا بتانے والا ہے اس (کلام) کو جو اس کے پہلے ہے اور ہدایت ہے اور خوش خبری ہے ایمان والوں کیلئے، جو کوئی ہوا دشمن اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبرئیل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے (ان) کافروں کا۔

تفسیر: اے محمد (ﷺ آپ) ان سے (یہ کہئے کہ جو شخص جبرئیل علیہ السلام سے عداوت رکھے) وہ جانے لیکن اس بات کو قرآن کے نہ ماننے میں کیا دخل؟ کیونکہ اس میں تو وہ محض سفیر ہیں اور سفارت کے طور پر (انہوں نے یہ قرآن پاک حکم خداوندی سے آپ کے قلب پر اتارا ہے)۔ اور سفارت کے صادق ہونے کے لئے سفیر میں دو صفتوں کا ہونا کافی ہے اول مامور ہو دوسرے امین ہو۔ سو امین ہونے سے یہود کو بھی انکار نہ تھا۔ وہ صرف عناداً قرآن کے من جانب اللہ ہونے کا انکار کرتے تھے۔ رہا مامور ہونا اس کو ذکر کر دیا کہ جبرئیل علیہ السلام خدا کے حکم سے لائے ہیں۔ اب ان کے علاوہ لانے والے کی دیگر

خصوصیت کیوں دیکھی جاتی ہے؟ البتہ خود قرآن کو دیکھو کہ کیسا ہے (اس کی) خود (یہ حالت ہے کہ تصدیق کر رہا ہے اپنے سے قبل والی) آسمانی (کتابوں کی اور رہنمائی کر رہا ہے) ضروری مصلحتوں کی (اور خوشخبری سنا رہا ہے ایمان والوں کو) اور کتاب سماوی کی یہی شان ہوتی ہے، پس قرآن ہر حال میں کتاب سماوی اور قابل اتباع ہے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام کی عداوت سے اس کو نہ ماننا نری حماقت ہے، اب رہا خود مسئلہ جبرئیل سے عداوت کا سو اس کا فیصلہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک خود اللہ تعالیٰ سے عداوت رکھنا یا اس کے دوسرے ملائکہ سے یا اس کے رسولوں سے یا خود میکائیل سے جن کی دوستی کا دم بھرتے ہیں، ان سے سب سے عداوت رکھنا اور جبرئیل سے عداوت رکھنا، یہ سب ہم پلہ شمار کئے جاتے ہیں اور ان سب عداوتوں کا قانون یہ ہے کہ (جو) کوئی (شخص خدا تعالیٰ کا دشمن ہو) تو (اور اس کے فرشتوں کا ہو) تو (اور اس کے پیغمبروں کا ہو) تو (اور جبرئیل کا) ہوتو (اور میکائیل کا) ہو (تو) ان سب کا وبال یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ دشمن ہے ایسے کافروں کا)

آٹھواں کفر

بعض یہود نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ آپ پر کوئی ایسی واضح دلیل نازل نہ ہوئی جس کو ہم بھی جانتے پہچانتے اور آپ پر ایمان لاتے۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ وہ تو ایک ہی واضح دلیل کو لئے پھرتے ہیں۔ جب کہ ہم نے بہت سے واضح دلائل عطا کئے ہیں۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾

ترجمہ: اور ہم نے اتارے تیری طرف دلائل واضح اور نہیں انکار کرتے ان کا مگر نافرمان۔

تفسیر: (ہم نے تو آپ کی طرف بہت سے واضح دلائل نازل کئے ہیں) جن میں سے خود اس قرآن کی آیتیں بھی ہیں) جن کو وہ بھی تورات میں ذکر کردہ پیشین گوئیوں اور نشانیوں کی وجہ سے خوب جانتے پہچانتے ہیں۔ سو ان کا انکار نہ جاننے کی بناء پر نہیں، بلکہ یہ انکار حکم عدولی کی عادت کی وجہ سے ہے (اور) قاعدہ کلیہ ہے کہ (ایسے) کھلے کھلے (دلائل کا کوئی انکار نہیں کیا کرتا مگر صرف وہی لوگ جو نافرمانی کے عادی ہیں)۔

نواں کفر

رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لانے والے یہود کو جب وہ عہد یاد دلایا گیا جو ان سے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے بارے میں تورات میں لیا گیا تھا تو انہوں نے خود عہد ماننے سے ہی انکار کر دیا۔ اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

ترجمہ: کیا جب کبھی کریں گے کوئی عہد تو پھینک دے گی اس کو ایک جماعت ان میں سے۔ بلکہ ان کے اکثر یقین نہیں رکھتے۔

تفسیر: (کیا) اس عہد لینے سے ان کو انکار ہے (اور) ان کی تو یہ حالت ہے کہ انہوں نے اپنے تسلیم شدہ عہدوں کو بھی کبھی پورا نہیں کیا اور اب بھی (جب کبھی بھی یہ لوگ) دین کے متعلق (کوئی عہد کریں گے) ضرور (اس کو ان میں سے کوئی نہ کوئی فریق نظر انداز کر دے گا، بلکہ ان) تعمیل عہد نہ کرنے والوں (میں زیادہ تو ایسے ہی نکلیں گے جو) سرے سے اس عہد کا (یقین ہی نہیں رکھتے) سو تعمیل نہ کرنا تو فسق تھا ہی، یہ یقین نہ کرنا اس سے بڑھ کر کفر ہے۔

دسواں کفر

اور جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو یہود نے خود کو دی ہوئی کتاب الٰہی کو بھی نظر انداز کر دیا۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۘ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: اور جب آیا ان کے پاس رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والا اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے تو پھینک دیا ایک جماعت نے اہل کتاب سے کتاب اللہ کو پیچھے اپنی پیٹھ کے گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں۔

تفسیر: (اور جب ان کے پاس ایک) عظیم الشان (پیغمبر آئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو) رسول ہونے کے ساتھ (تصدیق بھی کر رہے ہیں اس کتاب کی جو ان لوگوں کے پاس ہے) یعنی تورات کی، کیونکہ اس میں آپ ﷺ کی نبوت کی خبر ہے، تو اس حالت میں آپ ﷺ پر ایمان لانا عین تورات پر عمل تھا جس کو وہ بھی کتاب اللہ جانتے ہیں، مگر اس کے باوجود بھی (ان اہل کتاب میں سے ایک فریق نے خود اس کتاب اللہ ہی کو اس طرح پس پشت ڈال دیا جیسے ان کو) اس کے مضمون کا یا کتاب اللہ ہونے کا (سرے سے علم ہی نہیں)۔

دوسری بدعملی: جادو کرنا

ربط: حق کو چھوڑ کر البتہ یہ جادو اور سحر کے پیچھے لگ گئے زمانہ ماضی کے یہود بھی اور زمانہ حال کے بھی حالانکہ ایسے علم سے آخرت کا کچھ نفع نہیں بلکہ سراسر نقصان ہے اور دنیا میں بھی ضرر ہے اور خدا کے حکم کے بغیر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ
وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ
السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ
وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ
فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ
بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ
وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ
خَلَاقٍ ۗ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾
وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: اور پیچھے لگ گئے اس علم کے جو پڑھتے تھے شیطان سلیمان کی بادشاہت میں اور کفر نہیں کیا سلیمان نے لیکن شیطان کفر کیا کرتے تھے کہ سکھاتے تھے لوگوں کو جادو۔ اور (اس علم کے پیچھے لگ گئے اتارا گیا جو دو فرشتوں پر شہر بابل میں جن کا نام ہاروت اور ماروت تھا اور نہیں سکھاتے تھے وہ دونوں (فرشتے) کسی کو یہاں تک کہ کہہ دیتے کہ صرف ہم آزمائش (کے لئے) ہیں سو تو نہ کفر کر پھر سیکھتے (بعض) لوگ ان دونوں سے وہ (جادو) جدائی ڈالتے تھے جس سے مرد میں اور اس کی بیوی میں۔ اور نہیں وہ نقصان پہنچانے والے اس سے کسی کو مگر بحکم الٰہی اور سیکھتے تھے وہ چیز جو نقصان کرتی ہے خود ان کا اور نہیں فائدہ دیتی انکو۔ اور وہ خوب جان چکے

ہیں کہ جس نے اختیار کیا اس (جادو) کو نہیں ہے اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ، اور بہت ہی بری ہے چیز کہ بیچا انہوں نے جس کے بدلہ اپنے آپ کو کاش کہ وہ سمجھتے ہوتے اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ کرتے تو اللہ کے ہاں کا بدلہ بہتر تھا کاش کہ وہ سمجھتے ہوتے۔

تفسیر: (اور) یہودی ایسے بے عقل ہیں کہ (انہوں نے) کتاب اللہ کا تو اتباع نہ کیا اور (ایسی چیز کا) یعنی سحر و جادو کا (اتباع) اختیار (کیا جس کا چرچا کیا کرتے تھے شیاطین) یعنی خبیث جن (حضرت (سلیمان) علیہ السلام (کی سلطنت) کے زمانہ میں (اور) بعضے بے وقوف جو خود حضرت سلیمان علیہ السلام پر سحر میں ملوث ہونے کا گمان رکھتے ہیں بالکل ہی لغو بات ہے، کیونکہ قرآن وسنت کی اصطلاح میں جس کو سحر کہا گیا ہے وہ اعتقادی کفر یا کم از کم عملی کفر سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر شیاطین کو راضی کرنے کے لئے کفر و شرک کے کچھ اقوال یا اعمال اختیار کئے تو حقیقی و اعتقادی کفر ہوگا۔ اور اگر کفر و شرک کے اقوال و افعال سے بچ بھی گیا مگر دوسرے گناہوں کا ارتکاب کیا تو کفر عملی سے خالی نہ رہا اور (حضرت سلیمان علیہ السلام نے) نعوذ باللہ کبھی (کفر نہیں کیا مگر) ہاں (شیاطین) یعنی خبیث جن بیشک (کفر) کی باتیں اور کام یعنی سحر (کیا کرتے تھے اور حالت یہ تھی کہ) خود تو کرتے ہی تھے اور (آدمیوں کو بھی) اس (سحر کی تعلیم کیا کرتے تھے) سو وہی سحر متوارث چلا آ رہا ہے اور اس کا اتباع یہ موجودہ یہودی کرتے ہیں (اور) اسی طرح (اس) سحر (کا بھی) یہ لوگ اتباع کرتے ہیں (جو کہ ان دو فرشتوں پر) ایک خاص حکمت کے واسطے (نازل کیا گیا تھا) جو شہر (بابل میں) رہتے تھے (جن کا نام ہاروت و ماروت تھا اور وہ دونوں) وہ سحر (کسی کو نہ بتاتے جب تک) احتیاطاً پہلے (یہ) نہ (کہدیتے کہ ہمارا وجود بھی) لوگوں کے لئے (ایک امتحان) خداوندی (ہے) کہ ہم سے سحر سیکھ کر کون پھنستا ہے اور کون بچتا ہے (سو تم) اس پر مطلع ہو کر اس میں عملی طور سے ملوث ہو کر (کہیں کافر مت بن جانا تو) بعضے (لوگ ان دونوں) فرشتوں (سے اس قسم کا سحر سیکھ لیتے تھے جس کے ذریعہ سے) عمل کر کے (کسی مرد اور اس کی بیوی میں تفریق پیدا کر دیتے تھے۔ اور) اس سے کوئی وہم اور خوف میں نہ مبتلا ہو جائے کہ جادوگر جو چاہے کر سکتا ہے کیونکہ یہ یقینی بات ہے کہ (یہ) ساحر (لوگ اس) سحر (کے ذریعے سے کسی کو) ذرہ برابر (بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر خدا ہی کے) تقدیری (حکم سے اور) ایسا سحر حاصل کر کے جادوگر بس (ایسی چیزیں سیکھ لیتے ہیں جو) خود (ان کو) بوجہ گناہ کے (ضرر رساں ہیں اور) کسی معتد بہ درجہ میں (ان کو نافع نہیں ہیں)۔ تو یہودی بھی اتباع سحر سے بڑے ضرر میں ہوں گے (اور) یہ بات کچھ ہمارے ہی کہنے کی نہیں بلکہ (یہ) یہودی (بھی اتنا ضرور جانتے ہیں کہ جو شخص اس) سحر (کو) کتاب اللہ کے عوض (اختیار کرے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ) باقی (نہیں اور بیشک بری ہے وہ چیز) یعنی جادو اور کفر

(جس میں وہ لوگ اپنی جان دے رہے ہیں، کاش) اتنا (سمجھتے اور اگر وہ لوگ) بجائے اس کفر و بدعملی کے (ایمان اور تقویٰ) اختیار (کرتے تو خدا تعالیٰ کے یہاں کا معاوضہ) اس کفر و بدعملی سے ہزار درجے (بہتر تھا، کاش! وہ) اتنا (سمجھتے)۔

خلاصہ یہ کہ یہود اپنے دین اور کتاب کا علم چھوڑ کر علم سحر کے تابع ہو گئے اور سحر لوگوں میں دو طرف سے پھیلا۔ ایک حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں چونکہ جنات اور آدمی ملے جلے رہتے تھے تو آدمیوں نے شیطان جنوں سے سحر سیکھا اور نسبت کر دیا حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف کہ ہم کو انہی سے پہنچا ہے اور ان کو جن و انس پر حکم اسی کے زور سے تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ یہ کام کفر کا ہے سلیمان علیہ السلام کا نہیں۔ دوسرے سحر پھیلا ہاروت ماروت کی طرف سے۔ وہ دو فرشتے تھے جو بابل کے شہر میں آدمیوں کی صورت میں رہتے تھے جن کو بندوں کی آزمائش کے لئے بھیجا گیا تھا۔ قرآن و حدیث میں فرشتوں کے ذریعہ آزمائش کے اور واقعات بھی ملتے ہیں مثلاً حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی آزمائش نوجوان شکل کے فرشتوں سے کی گئی اور حدیث میں ایک کوڑھی ایک اندھے اور ایک گنجے کی فرشتے کے ذریعے آزمائش مذکور ہے۔ ان دو فرشتوں کو علم سحر معلوم تھا۔ جو کوئی اس کا طالب ان کے پاس جاتا اول اس کو روک دیتے کہ اس میں ایمان جاتے رہنے کا اندیشہ ہے اس پر بھی باز نہ آتا تو اس کو سکھا دیتے۔

سحر کی حقیقت: سحر لغت میں ہر ایسے اثر کو کہتے ہیں جس کا سبب ظاہر نہ ہو خواہ وہ سبب معنوی ہو جیسے خاص خاص کلمات کا اثر یا غیر محسوس چیزوں کا ہو جیسے جنات و شیاطین کا اثر یا قوت خیالیہ کا ہو جیسے میسمرزم اور ہپناٹزم کا اثر یا محسوسات کا ہو مگر وہ محسوسات مخفی ہوں جیسے مقناطیس کی کشش لوہے کے لئے جب کہ مقناطیس نظروں سے پوشیدہ ہو یا دواؤں اور کیمیائی اشیاء کا ہو جب کہ وہ مخفی ہوں۔

لیکن قرآن و سنت کی اصطلاح میں سحر صرف ایسے عجیب کام کو کہا جاتا ہے جس میں شیاطین کو خوش کر کے ان کی مدد حاصل کی گئی ہو۔ پھر شیاطین کو خوش کرنے کی مختلف صورتیں ہیں۔ کبھی ایسے منتر پڑھے جاتے ہیں جن میں کفر و شرک کے کلمات ہوں اور شیاطین کی مدح کی گئی ہو۔ کبھی کواکب و نجوم کی عبادت کی جاتی ہے جس سے شیطان خوش ہوتے ہیں۔ کبھی ایسے اعمال اختیار کئے جاتے ہیں جو شیطان کو پسند ہیں مثلاً کسی کو ناحق قتل کر کے اس کا خون استعمال کرنا یا جنابت و نجاست کی حالت میں رہنا وغیرہ۔

رہے انسانوں کے کئے ہوئے شعبدے اور ٹوٹکے یا ہاتھ کی چالاکی کے کام یا میسرزم ہپناٹزم اور نظر بندی وغیرہ تو قرآن و سنت کی اصطلاح میں یہ حقیقت میں سحر نہیں البتہ کبھی مجازاً ان کو بھی سحر کہہ دیا گیا ہے مثلاً سَحَرُوْا اَعْیُنَ النَّاسِ (انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا)۔

قرآن میں فرعونی ساحروں کے جس سحر کا ذکر ہے وہ اسی قسم کا تھا کیونکہ انہوں نے جو رسیاں اور لاٹھیاں ڈالی تھیں وہ نہ درحقیقت سانپ بنیں اور نہ انہوں نے حرکت کی بلکہ ان جادوگروں کی قوت خیالیہ کا اثر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر حاضرین کی قوت خیالیہ پر ہوا کہ وہ ان کو دوڑنے والے سانپ سمجھنے لگے۔

کیا انبیاء پر جادو کا اثر ہوسکتا ہے؟: اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ سحر درحقیقت کچھ خفیہ طبعی اسباب ہی کا اثر ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام طبعی اسباب کے اثرات سے متاثر ہوتے ہیں۔ یہ تاثر شان نبوت کے خلاف نہیں ہے۔ جیسے ظاہری اسباب سے انکا بھوک پیاس سے متاثر ہونا، بیماری میں مبتلا ہونا اور شفا پانا ثابت ہے۔ اسی طرح جادو کے مخفی اسباب سے بھی وہ متاثر ہو سکتے ہیں۔ لیکن کوئی ایسا اثر جو علوم نبوت پر اثر انداز ہو خواہ ظاہری بیماری کے سبب سے ہو یا جادو کے مخفی سبب سے ہو یہ نہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی اس کے واقع ہونے کی کوئی مثال ملتی ہے کیونکہ امت کو پہنچانے تک علم وحی کی حفاظت اور اس امت میں قیامت تک اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔

گیارہواں کفر: رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرارت

بعض یہودیوں نے ایک شرارت ایجاد کی، کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے حضور میں آ کر لفظ راعنا سے آپ ﷺ کو خطاب کرتے، جس کے معنی ان کی عبرانی زبان میں ایک بد دعا کے ہیں اور وہ اسی نیت سے کہتے تھے، مگر عربی زبان میں اس کے معنی ''ہماری مصلحت کی رعایت فرمائیے'' کے ہیں اس لئے عربی دان اس شرارت کو نہ سمجھ سکتے تھے اور اس اچھے معنی کے قصد سے بعضے مسلمان بھی حضور ﷺ کو اس کلمہ سے خطاب کرنے لگے، اس سے ان شریروں کو اور گنجائش ملی، آپس میں بیٹھ کر ہنستے تھے، کہ اب تک تو ہم ان کو خفیہ ہی برا کہتے تھے، اب اعلانیہ برا کہنے کی تدبیر ایسی ہاتھ آ گئی کہ مسلمان بھی اس میں شریک ہو گئے، حق تعالیٰ نے اس گنجائش کے قطع کرنے کو مسلمانوں کو حکم دیا کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا
وَاسْمَعُوا ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٠٤﴾

ترجمہ: اے ایمان والو مت کہو تم راعنا اور کہو انظرنا اور سن لو اور کافروں کے لئے عذاب ہے دردناک۔

تفسیر: (اے ایمان والو تم) لفظ (راعنا مت کہا کرو اور اس کی جگہ لفظ انظرنا کہہ دیا کرو) کیونکہ اس لفظ کے معنی اور راعنا کے معنی عربی زبان میں ایک ہی ہیں، راعنا کہنے میں یہودیوں کی

www.askfatwa.com

شرارت چلتی ہے، اس لئے اس کو ترک کر کے دوسرا لفظ استعمال کرو (اور) اس حکم کو اچھی طرح (سن لو) اور یاد رکھو کہ یہ حرکت بذات خود کفر کی ہے (اور) ان (کافروں کو) تو (دردناک سزا ہوگی) جو پیغمبر ﷺ کی شان میں ایسی گستاخی اور وہ بھی چالاکی کے ساتھ کرتے ہیں۔

فائدہ : اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر اپنے کسی جائز فعل سے دوسروں کو ناجائز کاموں کی گنجائش ملتی معلوم ہو تو یہ جائز فعل بھی اس کے لئے جائز نہیں رہتا بشرطیکہ یہ فعل شرعاً ضروری اور مقاصد شرعیہ میں سے نہ ہو۔

بارہواں کفر: مسلمانوں کو کافر بنانے کو پسند کرنا۔

بعضے یہودی بعض مسلمانوں سے کہنے لگے کہ بخدا ہم دل سے تمہارے خیر خواہ ہیں اور ہزار جان سے پسند کرتے ہیں کہ اگر تم کو دینی احکام ہمارے دینی احکام سے بہتر عنایت ہوں تو ہم بھی ان کو قبول کریں مگر کیا کیا جائے کہ تمہارا دین ہمارے دین سے اچھا ثابت نہیں ہوا، حق تعالیٰ اس دعویٰ خیر خواہی کی تکذیب فرماتے ہیں کہ:

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ
اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ
رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

ترجمہ: نہیں پسند کرتے وہ لوگ جو کافر ہوئے اہل کتاب میں سے اور نہ (وہ جو کافر ہوئے) مشرکوں میں سے (اس بات کو) کہ اتاری جائے تم پر کوئی بہتری تمہارے رب کی طرف سے اور اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تفسیر: یہ یہودی اور مشرک اوپر سے تو تمہاری خیر خواہی کرتے ہیں لیکن حقیقت میں تم سے مکر کرتے ہیں اور (ذرا بھی پسند نہیں کرتے کافر لوگ) خواہ (ان اہل کتاب میں سے) ہوں (اور) خواہ (مشرکین میں سے) اس بات کو (کہ تم کو تمہارے پروردگار کی طرف سے کسی طرح کی بہتری) بھی (نصیب ہو اور) ان کے حسد سے کچھ بھی نہیں ہوتا کیونکہ (اللہ تو اپنی رحمت) وعنایت (کے ساتھ جس کو منظور ہوتا ہے مخصوص فرما لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل) کرنے (والے ہیں)۔

تیسری بدعملی: تحویل قبلہ پر طعنہ زنی

جب قبلہ کی تبدیلی کا واقعہ ہوا تو یہود نے اس پر طعن کیا اور مشرکین بھی بعض احکام کی منسوخی پر زبان طعن دراز کرتے تھے حق تعالیٰ ان کے طعن اور اعتراض کا جواب دیتے ہیں۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ: جو منسوخ کرتے ہیں ہم کسی آیت (کے حکم) کو یا اس (آیت) کو فراموش کرا دیتے ہیں تو لے آتے ہیں بہتر اس سے یا اس کی مثل۔ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور نہیں تمہارے واسطے سوائے اللہ کے کوئی حمایتی اور نہ مددگار۔

تفسیر: (ہم کسی آیت کا جو حکم موقوف کر دیتے ہیں) گو آیت قرآن میں یا ذہنوں میں باقی رہے (یا اس آیت) ہی (کو) ذہنوں سے (فراموش کرا دیتے ہیں تو) یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں، کیونکہ اس میں بھی مصلحت ہوتی ہے چنانچہ (ہم) اسکی جگہ (اس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی کے مثل لے آتے ہیں) اے معترض (کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتے ہیں) پس ایسے قادر کو مصلحتوں کی رعایت کیا مشکل ہے اور (کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ایسے ہیں کہ خاص انہی کی سلطنت آسمانوں اور زمین پر ہے) جب ان کی اس قدرت و سلطنت میں کوئی شریک و سہیم نہیں ہے تو ان مصلحتوں کی رعایت کر کے دوسرا حکم دے دینے میں کون مزاحمت کر سکتا ہے، غرض حکم ثانی کی تجویز سے بھی کوئی مانع نہیں اور اس حکم کے جاری کر دینے میں بھی کوئی مانع نہیں (اور) یہ بھی سمجھ رکھو کہ (تمہارا حق تعالیٰ کے سوا کوئی یار و مددگار بھی نہیں، پس جب وہ یار ہیں تو احکام میں مصلحت کی ضرور رعایت کریں گے اور جب مددگار ہیں تو ان احکام پر عمل کرنے کے وقت تمہارے مخالفین کی مزاحمت سے بھی ضرور محفوظ رکھیں گے البتہ اگر اس ضرر کی وجہ سے اس سے بڑھ کر کوئی اخروی نفع ملنے والا ہو تو ظاہراً مخالف کا مسلط ہو جانا اور بات ہے۔

رسول سے بے جا مطالبات کرنا

مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی خاطر بعض یہود نے حضور ﷺ کی خدمت میں عناداً عرض کیا کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام پر ایک ہی دفعہ تورات نازل ہوئی اسی طرح آپ بھی قرآن لاتے اور اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں پر اثر انداز ہوں اس پر مسلمانوں سے ارشاد ہوتا ہے کہ:

چوتھی بدعملی

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ: کیا تم (مسلمان) بھی چاہتے ہو کہ درخواست کرو اپنے رسول سے جیسے درخواست کیے گئے موسیٰ اس سے پہلے اور جو کوئی بدل کر لے کفر کو ایمان سے تو وہ بہکا سیدھی راہ سے۔

تفسیر: یہود کی باتوں سے متاثر ہو کر (ہاں کیا) اے مسلمانو! (تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے) بیجا بیجا (درخواستیں کرو جیسا کہ اس کے قبل) یہود کے بزرگوں کی طرف سے حضرت (موسیٰ) علیہ السلام (سے بھی) ایسی ایسی (درخواستیں کی جا چکی ہیں) مثلاً خدا تعالیٰ کو علانیہ دیکھنے کی درخواست کی تھی۔ اور ایسی درخواستیں جن سے صرف رسول ﷺ پر اعتراض کرنا اور اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں میں مزاحمت کرنا ہی مقصود ہو اور ایمان لانے کا پھر بھی ارادہ نہ ہو نری کفر کی باتیں ہیں اور (جو شخص ایمان کی بجائے کفر) کی باتیں (کرے بلاشک وہ شخص راہ راست سے دور جا پڑا)

تیرہواں کفر: بعض یہود شب و روز مختلف تدبیروں سے دوستی اور خیر خواہی کے پیرایہ میں مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنے کی کوشش کیا کرتے تھے اور باوجود ناکامی کے اپنی دھن سے باز نہ آتے تھے۔ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس پر متنبہ فرما دیا کہ:

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ

اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ: چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب کہ کاش پھیر (کر بنا) دیں تم کو تمہارے ایمان لانے کے بعد کافر حسد (کے سبب) سے (جو) ان کی اپنی طرف سے (ہے) اس کے بعد کہ ظاہر ہو چکا ان پر حق سو تم اب معاف کرو اور درگذر کرو یہاں تک کہ لائے اللہ اپنا حکم بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ۔ اور جو کچھ آگے بھیج دو گے اپنے واسطے نیک کام پاؤ گے اس کو اللہ کے پاس، بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو سب دیکھتا ہے۔

تفسیر: (ان اہل کتاب) یعنی یہود (میں سے بہت سے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا ڈالیں) اور یہ چاہنا کچھ خیر خواہی سے نہیں، جیسا کہ وہ اظہار کرتے ہیں، بلکہ (محض حسد کی وجہ سے ہے جو کہ) تمہاری جانب سے کسی بات کے سبب پیدا نہیں ہوا، بلکہ (خود ان کے دلوں ہی سے) جوش مارتا (ہے) اور یہ بھی نہیں کہ ان کو حق واضح نہ ہوا ہو، بلکہ (حق واضح ہونے کے بعد) یہ حالت ہے۔ یہود کی یہ بات معلوم ہونے پر مسلمانوں کو ان پر غصہ آنے کا موقع تھا اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ (خیر) اب تو (معاف کرو اور درگزر کرو جب تک حق تعالیٰ) اس معاملہ کے متعلق (اپنا) جدید (حکم) و قانون (لائیں) یعنی بھیجیں۔ اس میں اس طرف اشارہ کر دیا کہ ان کی شرارتوں کا علاج امن عامہ کے قانون انتظام یعنی قتال و جزیہ سے ہم جلد کرنے والے ہیں۔ اس پر مسلمانوں کو اپنا ضعف اور ان کی قوت دیکھ کر اس قانون کے اجراء کے متعلق تعجب ہو سکتا تھا اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ تم تعجب کیوں کرتے ہو (اللہ تعالیٰ ہر چیز پر) خواہ وہ معمولی ہو خواہ عجیب ہو (قادر ہیں اور تم) سردست صرف (نمازیں پابندی سے پڑھے جاؤ اور) اگر زکوٰۃ فرض ہے تو (زکوٰۃ دیئے جاؤ) اور جب وہ قانون آ جائے گا ان اعمال صالحہ کے ساتھ اس کا بھی اضافہ کر لینا (اور) یہ نہ سمجھو کہ جب تک جہاد کا حکم نہ آئے صرف نماز روزہ سے کچھ ثواب میں کمی رہے گی کیونکہ جتنے احکام آ چکے ہیں ان کی اطاعت تو پوری ہے۔ اور اطمینان رکھو کہ (جو نیک کام بھی اپنے) انجام خیر کے (لیے جمع کرتے رہو گے، حق تعالیٰ کے پاس) پہنچ کر (اس کو) پورا پورا مع صلہ کے (پالو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کئے ہوئے کاموں کی دیکھ بھال کر رہے ہیں) ان میں کا ایک ذرہ بھی ضائع نہ ہونے پائے گا۔

فائدہ: اس وقت کی حالت کا یہی تقاضا تھا، پھر حق تعالیٰ نے اس وعدے کو پورا فرمایا اور جہاد کی آیات نازل ہوئیں، جس کے بعد یہود کے ساتھ بھی وہ قانون برتا گیا اور دوسرے مشرکوں کے ساتھ

حسب حیثیت ان کے فساد کے بدلے قتل یا جلا وطنی یا جزیہ پر عملدرآمد کیا گیا۔

تیرہویں قباحت: غلط اور بے بنیاد دعوے

ربط: اتنے کفریات اور اتنی بدعملیوں کے باوجود یہود و نصاریٰ پھر بھی یہ دعویٰ کریں کہ وہی اور صرف وہی جنت میں جائیں گے تو پھر اب یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے دعوے پر کوئی خدائی دلیل لے آئیں جو ان کے پاس یقیناً نہیں ہے۔ اس کے بعد جنت میں جانے کا ضابطہ آیا کہ جو اس ضابطہ پر پورا اترے گا صرف وہی جنت میں جائے گا۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ
اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١١١﴾ بَلٰى ۤ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَھُوَ
مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ
يَحْزَنُوْنَ ﴿١١٢﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ ہرگز نہ داخل ہوں گے جنت میں مگر جو ہوں گے یہودی یا نصرانی۔ یہ آرزوئیں ہیں ان کی۔ کہہ دے لے آؤ دلیل اپنی اگر تم ہو سچے، کیوں نہیں (داخل ہوں گے بلکہ) جس نے تابع کر دیا اپنا رخ اللہ کے لئے اور وہ مخلص بھی ہے تو اس کے لئے ہے ثواب اس کا اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

تفسیر: (اور) یہود نصاریٰ یوں (کہتے ہیں کہ جنت میں ہرگز کوئی نہ جانے پائے گا سوائے ان لوگوں کے جو یہودی ہوں) یہ تو یہود کا قول ہے (یا ان لوگوں کے جو نصرانی ہوں) یہ نصاریٰ کا قول ہے، حق تعالیٰ ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ (یہ) خالی (آرزوئیں) یعنی دل بہلانے کی باتیں ہیں اور حقیقت کچھ بھی نہیں (آپ) ان سے یہ تو (کہئے کہ) اچھا اپنی (دلیل لاؤ اگر تم) اس دعوے میں (سچے ہو)۔ سو وہ تو کیا دلیل لائیں گے کیونکہ کوئی دلیل ہے ہی نہیں بلکہ اب ہم اس کے خلاف پہلے تو یہ دعوی کرتے ہیں کہ (ضرور دوسرے لوگ) بھی جنت میں (جائیں گے) پھر اس پر دلیل لاتے ہیں کہ ہمارا قانون جو سماوی ملتوں کے ماننے والوں کے اتفاق سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے یہ ہے کہ (جو کوئی شخص بھی اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے) یعنی عقائد و اعمال میں فرمانبرداری اختیار

کرے (اور) اس کے ساتھ (وہ مخلص بھی ہو) کہ فرمانبرداری دلی طور پر اختیار کی ہو، محض مصلحت سے ظاہر داری نہ ہو (تو ایسے شخص کو اس) کی فرمانبرداری (کا عوض ملتا ہے اپنے پروردگار کے پاس پہنچ کر اور ایسے لوگوں پر) قیامت میں (نہ کوئی اندیشہ) ناک واقعہ پڑنے والا (ہے اور نہ ایسے لوگ) اس روز (مغموم ہونے والے ہیں) کیونکہ فرشتے ان کو بشارتیں سنا کر بے فکر کر دیں گے۔

اس استدلال کا حاصل یہ ہے کہ جب یہ قانون مسلم ہے تو اب صرف یہ دیکھ لو کہ یہ بات کس پر صادق آتی ہے؟ سو ظاہر ہے کہ مذکورہ کفریات اور اعمال بد کے ہوتے ہوئے یہود اس قانون پر پورے نہیں اترتے علاوہ ازیں کسی سابق حکم کے منسوخ ہو جانے کے بعد اس پر عمل کرنے والا کسی بھی طور پر فرمانبردار نہیں کہلا سکتا لہٰذا اس اعتبار سے بھی یہود و نصاریٰ فرمانبردار نہ ہوئے بلکہ نئے حکم پر عمل کرنا فرمانبرداری سمجھی جائے گی اور یہ شان مسلمانوں کی ہے کہ نبوت و شریعت محمدیہ کو قبول کیا چنانچہ یہی جنت میں داخل ہونے والے شمار ہوئے۔

ربط: مسلمانوں کے مقابلہ میں تو یہود و نصاریٰ صرف اپنے لیے جنت میں داخلہ کے حقدار کہتے تھے لیکن جب آپس کا موقع آتا ہے تو ایک دوسرے کو باطل پر کہتا ہے اور ان کی دیکھا دیکھی مشرکین عرب بھی صرف اپنے کو حق پر اور دوسروں کو باطل پر کہنے لگے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّ
قَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ
الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ
يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ: اور کہنے لگے یہود کہ نہیں نصاریٰ کسی بنیاد پر اور کہنے لگے نصاریٰ کہ نہیں یہود کسی بنیاد پر حالانکہ وہ سب پڑھتے ہیں کتاب۔ اسی طرح کہی ان لوگوں نے جو نہیں رکھتے علم انہی کی سی بات۔ اب اللہ حکم کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جس بات میں وہ جھگڑتے تھے۔

تفسیر: (اور یہود کہنے لگے کہ نصاریٰ) کا مذہب (کسی بنیاد پر) قائم (نہیں) یعنی سرے سے غلط ہے (اور اسی طرح نصاریٰ کہنے لگے کہ یہود کا مذہب کسی بنیاد پر قائم نہیں) یعنی سرے سے غلط ہے (حالانکہ) فریقین کے (یہ سب لوگ آسمانی (کتابیں) بھی (پڑھتے) پڑھاتے (ہیں) یعنی یہود توریت

کو اور عیسائی انجیل کو پڑھتے اور دیکھتے ہیں اور دونوں کتابوں میں دونوں رسولوں اور دونوں کتابوں کی تصدیق موجود ہے جو کہ دونوں مذہبوں کی اصل بنیاد ہے گو منسوخ ہو جانے کی بنا پر قابل عمل نہ ہو یہ اور بات ہے۔

اور اہل کتاب تو ایسے دعوے کرتے ہی تھے انکی دیکھا دیکھی مشرکین کو بھی جوش آیا اور (اسی طرح سے یہ لوگ) بھی (جو کہ محض بے علم ہیں ان اہل کتاب کا سا قول دہرانے لگے) کہ ان یہود و نصاری سب کا دین بے بنیاد ہے۔حق پر بس ہم ہی ہیں (سو) یہاں سب اپنی اپنی ہانک لیں (اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان) عملی (فیصلہ کر دیں گے قیامت کے دن ان تمام مقدمات میں جن میں وہ باہم اختلاف کر رہے تھے) اور وہ عملی فیصلہ یہ ہوگا کہ ان تینوں باطل جماعتوں کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا جب کہ اہل حق کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔تفسیر میں عملی فیصلہ کی قید اس لئے لگائی کہ قولی اور برہانی فیصلہ تو عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعہ دنیا میں بھی ہو چکا ہے۔

ربط: ان تینوں گروہوں کے باطل پر ہونے کے دلائل

اللہ کی مساجد کو ویران کرنے کی کوشش

یہود تو قبلہ کا حکم بدلنے کے وقت طرح طرح کے اعتراض کر کے کم سمجھ لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کرتے تھے، اگر وہ شبہات عام طور پر قلوب میں اثر کرتے تو ان کا لازمی نتیجہ انکار رسالت اور ترک نماز نکلتا اور ترک نماز سے مسجد کی ویرانی لازم ہے، تو گویا یہ یہودی اس طور سے ترک نماز اور مساجد خصوصاً مسجد نبوی ﷺ کی ویرانی میں بھی کوشاں تھے۔اور روم کے بعض مشرک حکمران جو نصاریٰ کے اسلاف تھے اور گو وہ نصرانی نہ تھے لیکن ان کے افعال کا انکار بھی نہ کرتے تھے، کسی زمانے میں شام کے یہود پر چڑھ آئے تھے، قتل وقتال بھی ہوا اور اس وقت بعض جہلاء کے ہاتھ سے مسجد بیت المقدس کی بے حرمتی بھی ہوئی اور بد امنی کی وجہ سے اس میں نماز وغیرہ کا اہتمام بھی نہ ہوا، اس طور پر نصاریٰ کے اسلاف ترک نماز اور ویرانی مسجد کے بانی ہوئے اور نصاریٰ پر اس وجہ سے کہ وہ اس فعل پر راضی تھے اس کا الزام دیا گیا، اس بادشاہ کا نام طیطس (TITUS) تھا اور نصاریٰ کو یہ قصہ اس لئے گوارا تھا کہ اس میں یہودیوں کی تذلیل ہوئی تھی اور یہ یہود سے عداوت رکھتے تھے۔اور جناب رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ سے پہلے جب مکہ معظّمہ میں داخل ہو کر مسجد الحرام کا طواف کرنا اور نماز ادا فرمانی چاہی تو مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو نہ جانے دیا یہاں تک کہ آپ ﷺ اس سال واپس تشریف لے آئے، تو اس طرح یہ مشرکین بھی مسجد حرام کی ویرانی میں کوشاں ہوئے، اس لئے حق تعالیٰ نے صیغہ عموم سے اس کی قباحت اور برائی ظاہر فرمائی، یعنی:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ: اور کون بڑا ظالم ہوگا اس سے جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ لیا جائے وہاں اس کا نام اور کوشش کی ان کے اجاڑنے میں۔ یہ لوگ نہیں تھا لائق ان کے لئے کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ہوئے۔ ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

تفسیر: (اور اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں میں) جس میں مکہ کی مسجد حرام، مدینہ کی مسجد، بیت المقدس کی مسجد اور سب مسجدیں آ گئیں (اس کا ذکر) اور اس کی عبادت (کئے جانے سے بندش کرے اور ان) مساجد (کے ویران) اور معطل (ہونے) کے بارے (میں کوشش کرے ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت) اور بیباک (ہو کر ان) مساجد (میں قدم بھی نہ رکھنا چاہئے تھا) بلکہ جب جاتے تو نہایت عظمت و حرمت و ادب سے جاتے۔ جب بیباک ہو کر اندر جانے تک کا استحقاق نہیں تو اس کی ہتک حرمت کا حق کب حاصل ہے، اسی کو ظلم فرمایا گیا (ان لوگوں کو دنیا میں بھی رسوائی) نصیب (ہوگی اور ان کو آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی)۔

ربط: ضمناً ایک اعتراض کا جواب دیتے ہیں جو تبدیلی قبلہ کے بارے میں یہود نے کیا تھا کہ مسلمان سابقہ جہت سے دوسری جہت کی طرف کیوں پھر گئے، اللہ تعالیٰ نے اس کا جو جواب دیا اس سے ان کے اعتراض کا بودا پن معلوم ہوتا ہے۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ: اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب سو جس طرف تم منہ کرو وہاں توجہ ہے اللہ۔ بیشک اللہ بے انتہا بخشش کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔

تفسیر: (اور اللہ ہی کی مملوک ہیں) سب جہتیں (مشرق بھی اور مغرب بھی) اور وہ اللہ کا مکان نہیں کہ وہ ان میں سمائے ہوئے ہوں۔ پس جب وہ مالک ہیں جس جہت کو چاہیں قبلہ مقرر کر دیں، پھر تعیین قبلہ کی حکمت میں مثلاً یہ ہے کہ عبادت گذاروں کی ہیئت ایک ہو اور ان کو دلجمعی حاصل ہو۔ اور یہ

حکمت ہر جہت سے حاصل ہوسکتی ہے، جس کا حکم دیدیں وہی متعین ہو جائے گی، ہاں البتہ اگر معبود کی ذات نعوذ باللہ کسی خاص جہت ہی میں ہوتی تو ضرورت کی وجہ سے اس جہت میں قبلہ کا انحصار مناسب تھا۔ لیکن ذات الٰہی کسی جہت کے ساتھ مقید و محدود نہیں۔ جب یہ بات ہے (تو تم لوگ جس طرف بھی منہ کرو ادھر) ہی (اللہ تعالیٰ) کی ذات پاک (کا رخ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ) خود تمام جہات اور اشیاء کو (محیط ہیں) اور اس طرح سے احاطہ کئے ہوئے ہیں جس طرح کا احاطہ کرنا ان کی شان کے لائق ہے، لیکن محیط و غیر محدود ہونے کے باوجود پھر بھی عبادت کی جہت کو متعین اس لئے فرمایا کہ وہ (کامل العلم ہیں) کہ ہر شے کی مصلحتوں کو خوب جانتے ہیں اور چونکہ ان کے علم میں یہ تعیین بعض مصلحتوں سے تھی، اس لئے اس کا حکم دیدیا۔

2- اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ہونے کا دعویٰ کرنا

بعض یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور ان کے علاوہ نصاری حضرت عیسٰی علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ ان کے قول کی قباحت اور بطلان کا بیان بھی کرتے ہیں:

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ رکھتا ہے اللہ اولاد۔ وہ تو (ایسی سب باتوں سے) پاک ہے، بلکہ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ سب اسی کے تابعدار ہیں، ایجاد کرنے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جب پورا کرنا چاہتا ہے کسی کام کو تو یہی فرماتا ہے اس کو کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔

تفسیر: (اور یہ لوگ) مختلف عنوان سے (کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اولاد رکھتا ہے سبحان اللہ) کیا مہمل بات ہے (بلکہ) اللہ کی تو اولاد ہونا عقلاً ممکن نہیں، کیونکہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو اولاد غیر جنس ہو گی اور یا ہم جنس ہو گی۔

اگر غیر جنس ہو تب تو ناجنس اولاد ہونا عیب ہے، جب کہ حق تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہیں عقلاً بھی

جیسا کہ سب کے نزدیک مسلم ہے اور نقلاً بھی جیسا کہ خود سبحانہ کے لفظ سے معلوم ہوا۔

اور اگر ہم جنس ہو تو اس لئے باطل ہے کہ حق تعالیٰ کا کوئی ہم جنس نہیں، کیونکہ جو صفات کمال اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے لازم ہیں وہ اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں اور غیر اللہ میں معدوم ہیں، جب اللہ تعالیٰ کی سی صفات کمال کسی دوسرے میں ہیں ہی نہیں تو دوسرا خدا کیسے ہوسکتا ہے اور وہ خدا کا ہم جنس کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ ہم جنس تو وہی ہوسکتا ہے جس میں تمام خدائی اوصاف ہوں جو خدا کے لئے لازم ہیں۔

اب صفات کمال صرف حق تعالیٰ ہی کے ساتھ مختص ہونے کی دلیلیں ذکر کی جاتی ہیں۔ اول یہ کہ (خاص اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں) موجودات (ہیں) اور دوسرے یہ کہ مملوک ہونے کے ساتھ (سب ان کے تابعدار) بھی (ہیں) بایں معنی کہ ان کی قدرت کے تصرفات جیسے مارنا، جلانا وغیرہ کو کوئی نہیں ہٹا سکتا، گو احکام شرعیہ کو کوئی ٹال دے اور ان پر عمل نہ کرے اور تیسرے یہ کہ حق تعالیٰ (موجد) بھی (ہیں آسمانوں اور زمین کے اور) چوتھے یہ کہ ایجاد کی قدرت بھی ایسی عظیم وعجیب ہے کہ (جب کسی کام) مثلاً پیدا ہی کرنے (کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو بس) اتنی بات ہے کہ (اس کو) اتنا (فرما دیتے ہیں کہ ہو جا، بس وہ) اسی طرح (ہو جاتا ہے)۔ ان کو آلات و اسباب اور صناعوں اور مددگاروں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور یہ چاروں باتیں سوائے حق تعالیٰ کے کسی میں نہیں پائی جاتیں اور یہ اللہ کے لئے اولاد کے دعویداروں کو بھی تسلیم تھا، لہذا دلیل سے خصوصیت کا دعوی بھی ثابت ہو کر حجت پوری ہوگئی۔

فائدہ : خاص خاص کاموں مثلاً بارش، رزق وغیرہ پر خاص خاص ملائکہ کو مقرر کرنا، اور اسی طرح اسباب اور مادے اور دیگر قوتوں سے کام لینا، یہ سب کسی حکمت خداوندی کی بنا پر ہوتا ہے، مثلاً یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے تابعدار ہیں اور اسباب اور قوتوں کے خزانے سب اللہ کی ملک میں ہیں۔ اس لئے نہیں کہ لوگ انہیں اسباب وقوتوں کو حاجت روا مان کر استعانت و مدد کے طلب گار ہوں۔

3- حق طلبی سے نہیں بلکہ محض ضد سے معجزے طلب کرنا

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ
اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ
قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں وہ لوگ جو (کچھ) نہیں جانتے کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ یا (کیوں نہیں) آتی ہمارے پاس کوئی دلیل۔ اسی طرح کہتے چلے آئے ہیں وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے مثل ان کی بات کے۔ ایک سے ہیں دل ان کے۔ بے شک صاف صاف بیان کر دیں ہم نے دلیلیں ان لوگوں کے واسطے جو یقین چاہتے ہیں۔

تفسیر: (اور) بعضے (جاہل) یہود و نصاریٰ اور مشرکین، رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں (یوں کہتے ہیں کہ) خود (اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کیوں نہیں فرماتے) خواہ کسی واسطہ کے بغیر جیسے خود فرشتوں سے کلام فرماتے ہیں، یا فرشتوں کے واسطے سے جیسے پیغمبروں سے بطور وحی بات کرتے ہیں اور اس کلام میں یا تو خود ہم کو احکام بتا دیں کہ رسول کی ہم کو ضرورت ہی نہ رہے یا کم از کم اتنا ہی کہہ دیں کہ محمد ﷺ ہمارے رسول ہیں، تو ہم ان کی رسالت کے قائل ہو کر ان کی اطاعت کرنے لگیں (یا) کلام نہیں کرتے تو ثبوت رسالت کی (ہمارے پاس کوئی اور ہی دلیل آجائے)۔

حق تعالیٰ اولاً اس بات کا جاہلانہ رسم ہونا بتاتے ہیں کہ (اس طرح وہ) جاہل (لوگ بھی کہتے چلے آئے ہیں جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں، ان ہی کا سا) جاہلانہ (قول) سو معلوم ہوا کہ یہ قول کوئی با وقعت اور باریک بینی پر مبنی نہیں، یوں ہی ہانک دیا جاتا ہے۔

پھر ثانیاً اس قول کا منشا اور سبب بیان فرماتے ہیں کہ (ان سب) اگلے پچھلے جاہلوں (کے قلوب) کج فہمی میں (باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں) اس لئے سب سے بات بھی ایک ہی سی پیدا ہوئی۔

پھر ثالثاً اس قول کا جواب دیتے ہیں اور چونکہ اس قول کا جزو اول حماقت محض تھا کہ اپنے کو باوجود جہالت اور بے علمی کے ملائکہ اور انبیا کا ہم پلہ بنانا چاہتے تھے اور اس کا باطل ہونا بالکل واضح ہے، اس لئے اس احمقانہ بات کو نظر انداز کر کے صرف دوسرے جزو کا جواب ارشاد ہوتا ہے کہ تم تو ایک دلیل کو لئے پھرتے ہو (ہم نے تو بہت سی دلیلیں) رسالت محمد یہ ﷺ کے ثبوت میں (صاف صاف بیان کر دی ہیں) مگر وہ (ان لوگوں کے لئے) نافع و کافی ہو سکتی ہیں (جو یقین) اور اطمینان حاصل کرنا (چاہتے ہیں) اور چونکہ معترضین کو محض ضد اور کد ہی مقصود ہے اس لئے حق پا لینے کی غرض سے ان کو تحقیق ہی منظور نہیں، سو ایسوں کی تسلی و تشفی کا کون ذمہ دار بنے۔

فائدہ: یہود و نصاریٰ تو اہل کتاب تھے، ان میں اہل علم بھی تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے جو ان کو جاہل فرمایا تو اس لئے کہ باوجود یکہ قطعی اور قوی دلائل کثرت سے قائم کر دیئے گئے تھے پھر بھی جو انکار کئے جا رہے تھے تو جہالت نہیں تو اور کیا تھا، اور یہ جاہلوں ہی کی سی بات کہلائے گی، لہذا اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو جاہل فرمایا۔

ربط : چونکہ یہاں اس کا مقام تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کی اس جہالت اور عناد سے دلی تنگی ہو جاتی اور ان کے ایمان لانے کی کوئی صورت سمجھ میں نہ آنے سے غم ہوتا اس لئے اللہ تعالیٰ اگلی آیت میں آپ کو تسلی فرماتے ہیں۔

إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ بِٱلْحَقِّ
بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۙ وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ أَصْحَٰبِ ٱلْجَحِيمِ ﴿١١٩﴾

ترجمہ: بیشک ہم نے بھیجا ہے تجھ کو سچے دین کے ساتھ خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا اور نہیں تو سوال کیا جائے گا بابت دوزخ (میں جانے) والوں کے۔

تفسیر: اے رسول ﷺ (ہم نے آپ ﷺ کو ایک سچا دین دے کر) خلق کی طرف (بھیجا ہے کہ) ماننے والوں کو (خوش خبری سناتے رہئے اور) نہ ماننے والوں کو سزا سے (ڈراتے رہئے اور آپ سے دوزخ میں جانے والوں کی باز پرس نہ ہوگی) کہ ان لوگوں نے ایمان کیوں نہیں قبول کیا اور کیوں دوزخ میں گئے، آپ اپنا کام کرتے رہئے، آپ ﷺ کو کسی کے ماننے یا نہ ماننے کی کوئی فکر نہیں کرنی چاہئے۔

ربط: اوپر بتایا کہ آپ یہود و نصاریٰ کے ماننے نہ ماننے کی فکر میں نہ لگے کیونکہ۔ آگے بتاتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ ڈھیٹ لوگ ہیں اور الٹا چاہتے ہیں کہ آپ کو اپنے ڈھب پر لے آئیں۔

وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ ٱلْيَهُودُ وَلَا ٱلنَّصَٰرَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ
إِنَّ هُدَى ٱللَّهِ هُوَ ٱلْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ ٱتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُم بَعْدَ
ٱلَّذِى جَآءَكَ مِنَ ٱلْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ ٱللَّهِ مِن وَلِىٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١٢٠﴾

ترجمہ: اور ہرگز نہ راضی ہوں گے تجھ سے یہود اور نہ نصاریٰ یہاں تک کہ تو پیروی کرے ان کے دین کی، تو کہہ دے بلاشبہ اللہ کی راہ ہدایت ہی راہ ہدایت ہے اور اگر تو تابعداری کرنے لگے ان کی خواہشوں کی بعد اس کے جو آیا تیرے پاس علم، تو نہیں تیرا اللہ کے مقابلہ میں کوئی حمایت کرنے والا اور نہ مددگار۔

تفسیر: (اور کبھی خوش نہ ہوں گے آپ سے یہ یہود اور نہ یہ نصاریٰ جب تک کہ آپ ﷺ) خدا نخواستہ (ان کے مذہب کے) بالکل (پیرو نہ ہو جائیں)۔ لہٰذا اگر کبھی اس قسم کی بات ان کی زبان یا حال سے مترشح ہو تو (آپ) صاف (کہہ دیجئے کہ) بھئی (حقیقت میں ہدایت کا تو وہی راستہ ہے جس

کو خدا نے) ہدایت کا راستہ (بتایا ہے) اور دلائل سے ایسا راستہ صرف اسلام ہونا ثابت ہو چکا ہے، لہٰذا راہ ہدایت وہی رہا (اور) (اگر) بفرض محال (آپ ان کی خواہشات) اور باطل خیالات (کا اتباع کرنے لگیں) جس کو وہ خدائی مذہب سمجھتے ہیں، مگر ایک تو تحریف ہونے کی وجہ سے اور دوسرے منسوخ ہو جانے سے اب وہ محض چند غلط خیالات کا مجموعہ رہ گیا ہے، اور پھر اتباع بھی کیسی حالت میں کہ (علم) قطعی ثابت بالوحی (آچکنے کے بعد تو) ایسی حالت میں تو (آپ کا کوئی خدا سے بچانے والا نہ یار ہوگا نہ مددگار) بلکہ توبہ توبہ پنجہ قہر میں گرفتار ہو جانا لازم آئے گا۔ تو جب ان کے موجودہ مذہب پر عمل کرنے کا یہ انجام ہے تو یہ چاہنا کہ دوسرے ہدایت کو چھوڑ کر اس پر آ جائیں کتنی بڑی دشمنی ہے۔

ربط: یہاں تک اہل کتاب میں سے مخالفین کا ذکر تھا۔ اس کے بعد قرآن کی حسب عادت انصاف پسند اہل کتاب کا بیان ہے جنہوں نے حق واضح ہونے کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی اور آپ کا اتباع اختیار کر لیا۔ لہٰذا ارشاد ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

ترجمہ: وہ لوگ دی ہم نے جن کو کتاب (جب) وہ پڑھتے رہے اس کو جیسا حق ہے اس کے پڑھنے کا وہی ایمان لاتے ہیں اس (دین اسلام) پر اور جو کوئی منکر ہوگا اس سے تو وہی لوگ ہیں خسارہ پانے والے ہیں۔

تفسیر: (جن لوگوں کو ہم نے کتاب) تورات وانجیل (دی بشرطیکہ وہ اس کی تلاوت) اس طرح (کرتے رہے جس طرح تلاوت کا حق ہے) کہ اپنی قوت علمیہ کو مضامین کے سمجھنے میں خرچ کیا اور اپنی قوت ارادیہ کو اتباع حق کا عزم کرنے میں استعمال کیا (ایسے لوگ) البتہ آپ ﷺ کے (اس) دین حق اور علم وحی (پر ایمان لے آتے ہیں، اور جو شخص نہ مانے گا) کس کا کیا نقصان کرے گا (خود ہی ایسے لوگ خسارہ میں رہیں گے) کہ ایمان پر جو ثمرات عطا ہوتے ہیں ان سے محروم رہیں گے۔

اوپر کی آیت تک نبی اسرائیل کے متعلق جن خاص مضامین کا بیان کرنا مقصود تھا وہ تو ختم ہوئے، اب ان مضامین کی ابتدائی تمہید جس کے اجمال کے یہ سارے مضامین تفصیل تھے، اس کو دوبارہ پھر بیان کرتے ہیں، جس کا مقصد یہ ہے کہ تمہید کا اصل مضمون تکرار کی وجہ سے خوب ذہن نشین ہو جائے کیونکہ اصل مقصود تو کلیات اور اصول ہوتے ہیں، جن کا استحضار ان کے اختصار کی وجہ سے سہل اور آسان ہوتا ہے اور ان کی جامعیت کے ذریعہ سے ان کے جزئیات کا محفوظ رکھنا آسان ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں گفتگو

اور تقریر میں اس کو انتہائی بلیغ سمجھا جاتا ہے کہ مفصل اور طویل بات کرنے سے پہلے اختصار کے ساتھ اجمالی بیان کر دیا جائے جو آگے کی تفصیلات کو سمجھنے میں معین و مددگار ہو، اور آخر میں بطور خلاصہ اور نتیجہ اسی اجمالی بیان کا پھر اعادہ کر دیا جائے، مثلاً یہ کہا جائے کہ تکبر بڑی مضر خصلت ہے، اس میں ایک ضرر یہ ہے دوسرا یہ ہے تیسرا یہ ہے اس طرح دس بیس مضرتیں گنوا کر پھر آخر میں کہہ دیا جائے کہ غرض تکبر بڑی مضر خصلت ہے، اسی طور پر اس آیت یبنی اسرائیل کا اعادہ فرمایا گیا ہے۔

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ

اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَ اَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۲۲﴾ وَ اتَّقُوۡا یَوۡمًا لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَیۡئًا وَّ لَا یُقۡبَلُ مِنۡہَا عَدۡلٌ وَّ لَا تَنۡفَعُہَا شَفَاعَۃٌ وَّ لَا ہُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾

ترجمہ: اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری نعمتوں کو جن کا میں نے انعام کیا تم پر اور اس کو کہ میں نے بڑائی دی تم کو اہل عالم پر۔ اور ڈرو اس دن سے کہ نہ مطالبہ ادا کر سکے گا کوئی شخص کسی کی طرف سے ذرا بھی اور نہ قبول کیا جائے گا اس کی طرف سے بدلہ اور نہ فائدہ دے گی اس کو سفارش اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔

تفسیر: (اے اولاد یعقوب) علیہ السلام (میری ان نعمتوں کو یاد کرو جن کا میں نے تم پر) وقتاً فوقتاً (انعام کیا، اور اس کو) بھی یاد کرو کہ (میں نے تم کو بہت لوگوں پر) بہت سی باتوں میں (فوقیت دی اور تم ڈرو ایسے دن سے) یعنی روز قیامت سے (جس میں کوئی شخص کسی کی طرف سے نہ کوئی مطالبہ) اور حق واجب (ادا کرنے پائے گا، اور نہ کسی کی طرف سے کوئی معاوضہ) بجائے حق واجب کے (قبول کیا جائے گا اور نہ کسی کی کوئی سفارش) جب کہ ایمان نہ ہو (اس کو فائدہ دے گی اور نہ ان لوگوں کو کوئی مدد ملے گی)۔

ربط: یہاں تک بنی اسرائیل کی برائیوں اور نافرمانیوں کا بیان تھا جن میں سے ایک بدعنوانی یہ بھی تھی کہ بعض احکام کے منسوخ کئے جانے پر خصوصاً تحویل قبلہ کے حکم پر ان کا اعتراض تھا جس کا جواب اوپر کی بعض آیات میں ذکر ہوا ہے۔ چونکہ اس خاص حکم میں ان لوگوں کا شور وشغب زیادہ تھا نیز ضعیف الاعتقاد لوگوں پر اس مخالفت کا اثر ہو جانا بھی کچھ عجیب نہ تھا علاوہ ازیں نماز خود اسلام کا رکن اعظم ہے اور اس بحث کا نماز سے تعلق تھا اس لئے ان اسباب کا تقاضا ہوا کہ اس بارے میں کسی قدر تفصیل سے کلام کیا جائے۔ وہ تفصیلی کلام یہاں سے شروع ہو کر تقریباً چار رکوع تک پھیلا ہوا ہے جس کی ترتیب بھی

www.askfatwa.c

نہایت خوش اسلوب واقع ہوئی ہے کہ پہلے بانی کعبہ کی فضیلت اوران کا امام خلق ہونا بیان کیا۔ پھر کعبہ کی فضیلت اوراس کی تعمیر کا قصہ ذکر فرمایا۔ اوراس کے سیاق وسباق میں بہت سے مضامین اس کے مناسب اور تائید میں لائے گئے۔ پھر حاکمانہ اختیار سے اس کعبہ کو قبلہ بنانا بیان کیا۔ پھر اس میں جن حکیمانہ مصلحتوں کی رعایت رکھی گئی ان کو ذکر فرمایا اور درمیان درمیان میں اور مضامین جو موقع کے مناسب تھے بیان ہوئے جن میں امام القبلتین ﷺ کا حضرت ابراہیم کے ساتھ تعلق وخصوصیت اور آپ کا پوری مخلوق کے لئے نعمت عظمی ہونا بھی بتا دیا گیا تا کہ ہر اعتبار سے مضمون مکمل ہو جائے۔

فضیلت بانی کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ: اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں اور اس نے پورا کر دیا ان کو (تب) فرمایا میں بناؤں گا تجھ کو سب لوگوں کا پیشوا، بولا اور میری اولاد میں سے بھی۔ فرمایا نہیں پہنچے گا میرا وعدہ ظالموں کو۔

تفسیر: (اور جس وقت امتحان کیا) حضرت (ابراہیم کا ان کے پروردگار نے) اپنے احکام میں سے (چند باتوں میں) مثلاً ان کو پوری قوم اور پورے خاندان کے عقائد و رسوم کے مخالف دین حنیف عطا کیا گیا اور حکم ہوا کہ اس کی تبلیغ کریں۔ اس کی خاطر ان کو انتہائی بھڑکتی آگ میں بھی ڈالا گیا۔ پھر ایک یہ حکم ملا کہ اپنی بیوی اور شیر خوار بچے کو خشک پہاڑ اور بے آب و گیاہ گرم ریگستان میں تنہا چھوڑ کر واپس آ جائیں۔ اور جب وہی بچہ بھاگ دوڑ اور کام کاج کے قابل ہوا تو حکم ہوا کہ اب اس کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر دیں۔ ان کے علاوہ طہارت، عبادت اور دیگر امور سے متعلق بہت سے احکام دیئے گئے (اور وہ ان کو پورے طور سے بجا لائے) ہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بیوی بچے کی بھی حفاظت فرمائی اور بچے کو ذبح ہونے سے بچا کر اس کی جگہ مینڈھا عطا فرمایا۔ امتحانوں میں پورا اترنے پر (اللہ تعالیٰ نے) ان سے (فرمایا کہ میں تم کو سب لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔ انہوں نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے بھی کسی کسی کو) پیشوائیت عطا کیجئے گا (ارشاد ہوا کہ) آپ کی درخواست منظور ہے اور میرا آپ سے وعدہ ہے مگر اس کا ضابطہ سن لیجئے کہ (میرا) یہ (وعدہ) میرے قانون کی (خلاف ورزی کرنے والے کو نہ پہنچے گا) اور ایسے لوگوں کو تو صاف جواب ہے البتہ اطاعت کرنے والوں میں سے بعض کو نبوت و پیشوائیت دی جائے گی۔

فائدہ: امتحان دوغرض سے ہوتا ہے۔کبھی تو اس واسطے کہ امتحان کرنے والا خود اس شخص کی حالت ولیاقت کو جاننا چاہتا ہے۔سو یہ امتحان لینا تو ذات حق میں محال ہے کیونکہ ان کو سب کچھ پہلے ہی معلوم ہے۔اور کبھی امتحان لینے والا خود تو جانتا ہے لیکن دوسرے دیکھنے والوں کی نظر میں اس کی حالت کا پیش کرنا منظور ہوتا ہے تا کہ امتحان دینے والے کی عظمت ثابت ہو جائے اور دوسروں کو محرومی یا ترجیح کی شکایت کا موقع نہ رہے یا اگر امتحان کسی مجرم کا ہے تو خود وہ بھی اپنے دل میں انصاف کر لے اور دوسرے بھی ظلم و زیادتی کا شبہ نہ کر سکیں۔تو ایسا امتحان لینا حق تعالیٰ کی شان کے خلاف نہیں۔ جہاں کہیں حق تعالیٰ کا بندوں کو امتحان کرنا مذکور ہے وہاں یہی دوسری قسم مراد ہے۔

فضیلت کعبہ

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

ترجمہ: اور جب مقرر کیا ہم نے خانہ کعبہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطے اور امن کی جگہ اور بنالو ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ اور حکم دیا ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ پاک رکھو میرے گھر کو واسطے طواف کرنے والوں کے اور اعتکاف کرنے والوں کے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے۔

تفسیر: اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے کہ (جس وقت ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا) معبد جو کہ جائے ثواب اور (جائے اجتماع) ہوتا ہے (اور) مقام (امن) ہمیشہ سے (مقرر کیا اور) آخر میں امت محمدؐیہ کو حکم دیا کہ برکت حاصل کرنے کے لئے (مقام ابراہیم کو) کبھی کبھی یعنی طواف کے بعد بھی اور اس کے علاوہ بھی (نماز پڑھنے کی جگہ بنا لیا کرو۔اور ہم نے) بناء کعبہ کے وقت حضرت (ابراہیم) و حضرت (اسمٰعیل) علیہما السلام (کی طرف حکم بھیجا کہ میرے) اس (گھر کو خوب پاک) صاف (رکھا کرو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے واسطے)۔

فائدہ: 1- مقام امن دو وجہ سے فرمایا۔ایک تو یہ کہ اس میں حج وعمرہ اور نماز وطواف کرنے سے عذاب دوزخ سے امن ہوتا ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ اگر کوئی قاتل حدود کعبہ یعنی حرم میں جا گھسے تو وہاں اس کو سزائے موت نہ دیں گے البتہ اس کی رسد وغیرہ بند کر دیں گے یہاں تک کہ باہر نکل

آئے پھر پکڑ لیں گے۔اسی طرح اس جگہ شکار بھی کرنا حرام ہے۔

2- مقام ابراہیم ایک خاص پتھر کا نام ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی عمارت بنائی ہے اور وہ کعبہ کے پاس ایک محفوظ جگہ رکھا ہے۔اس کے پاس نفلیں اور طواف کی دو رکعتیں پڑھنا ثواب ہے۔

3- آیت میں جو مقام ابراہیم کو اس کے چھوٹے ہونے کے باوجود مصلی فرمایا ہے تو اس کا چھوٹا ہونا اس سے مانع نہیں ہے کیونکہ اس پر صرف قدم رکھنے سے بھی مصلی ہونا صادق آتا ہے۔باقی یہ بات کہ اب اس پر نماز نہیں پڑھی جاتی تو اصل یہ ہے کہ اس کے قریب کی جگہ بھی اس کے تابع ہونے کی وجہ سے اسی کے حکم میں ہے جیسا مسجد حرام یا مسجد نبوی میں جو اضافہ ہوا ہے وہ اس کے تابع ہے۔

ربط : آگے تعمیر کعبہ اور اس تعمیر میں تعمیر کرنے والے کے اخلاص اور اس کے ضمن میں جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کی بانی کعبہ کے ساتھ خصوصیت کا ذکر ہوتا ہے۔

تعمیر کعبہ اور بانی کعبہ کے اخلاص اور دعا کا قصہ

وَاِذْ قَالَ
اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ
مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ
قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَ
اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ
مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ
وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ
عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

ترجمہ: اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب بنا اس کو شہر امن کا اور روزی دے اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے جو کوئی ایمان لائے ان میں سے اللہ پر اور یوم آخرت پر۔ اللہ نے فرمایا اور جو کفر کرے تو میں نفع پہنچاؤں گا اس کو بھی تھوڑا پھر میں مجبور کروں گا اس کو دوزخ کے عذاب کی طرف اور وہ بری ہے جگہ پہنچنے کی۔ اور (یاد کرو) جب اٹھاتے تھے ابراہیم بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل۔ (دونوں دعا کرتے تھے) اے ہمارے پروردگار قبول کر ہم سے بیشک تو ہی ہے سننے والا جاننے والا۔ اے ہمارے پروردگار اور بنا ہم کو فرمانبردار اپنا اور ہماری اولاد میں (بھی بنا) ایک جماعت فرمانبردار اپنی۔ اور بتا ہم کو ہمارے احکام اور توجہ فرما ہم پر بے شک تو ہی ہے توجہ کرنے والا مہربان۔ اے ہمارے پروردگار اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے کہ پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھائے ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور پاک کرے ان کو۔ بے شک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا۔

تفسیر: (اور) وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے (جس وقت ابراہیم) علیہ السلام (نے) دعاء میں (عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اس) جگہ (کو ایک) آباد (شہر بنا دیجئے) اور شہر بھی کیسا (امن) امان (والا اور اس کے بسنے والوں کو پھلوں) کی قسم (سے بھی عنایت کیجئے) اور میں سب بسنے والوں کو نہیں کہتا بلکہ خاص (ان کو) کہتا ہوں (جو ان میں اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہوں)۔ باقیوں کو آپ جانیں۔ (حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا) کہ چونکہ دنیا میں ہمارا رزق کسی کے ساتھ خاص نہیں ہے، اس لئے ثمرات سب کو دوں گا، مومن کو بھی (اور اس شخص کو بھی جو کافر رہے) البتہ آخرت میں نجات چونکہ اہل ایمان کے ساتھ خاص ہے (سو) اس واسطے (ایسے شخص کو) جو کہ کافر رہے (تھوڑا) یعنی دنیا میں تھوڑے روز تو خوب (نفع) یعنی آرام (پہنچاؤں گا) لیکن (پھر) بعد مرگ (اس کو دوزخ کے عذاب کی طرف مجبور کر دوں گا) یعنی کشاں کشاں اس کو دوزخ کے عذاب میں پہنچا دوں گا (اور ایسی پہنچنے کی جگہ تو بہت بری ہے) اللہ بچائے۔ اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے (جب اٹھا رہے تھے ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی بنیادیں) دیواریں بنا رہے تھے (اور) ان کے ساتھ (اسمٰعیل علیہ السلام بھی) اٹھا رہے تھے اور دونوں یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ (اے ہمارے پروردگار) یہ خدمت (ہم سے قبول فرمائیے، بلاشبہ آپ خوب سننے والے، جاننے والے ہیں) ہماری دعا کو سنتے ہیں اور ہماری نیتوں کو جانتے ہیں (اے ہمارے پروردگار اور) ہم دونوں یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ (ہم کو اپنا اور زیادہ مطیع بنا لیجئے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کیجئے جو آپ کی مطیع ہو اور) نیز (ہم کو ہمارے حج) وغیرہ (کے احکام بھی بتلا دیجئے اور ہمارے حال پر) مہربانی کے ساتھ (توجہ رکھئے اور فی الحقیقت آپ ہی ہیں توجہ فرمانے والے، مہربانی کرنے والے)

(اے ہمارے پروردگار اور) یہ بھی دعا ہے کہ (اس جماعت کے اندر) جس کے پیدا ہونے کی دعا اپنی اولاد میں سے کر رہے ہیں (انہی میں کا ایک پیغمبر بھی مقرر کیجئے جو ان لوگوں کو آپ کی آیات پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو) آسمانی (کتاب) کے مضامین (کی اور) اس میں (صحیح سمجھ) کا سلیقہ حاصل کرنے کی (کی تعلیم دیا کریں اور ان کو) اس تعلیم و تلاوت کے ذریعہ جہالت کے خیالات اور اعمال سے (پاک کریں، بلاشبہ آپ ہی غالب قدرت والے ہیں) کہ سب درخواستیں پوری کر سکتے ہیں (کامل انتظام والے ہیں) کہ جو کام کرتے ہیں اس میں کوئی فروگذاشت نہیں ہوتی۔

جس جماعت کا اس آیت میں ذکر ہے وہ صرف بنی اسماعیل ہیں جن میں جناب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے لہذا یہاں جن پیغمبر کے لئے دعا ہے اس سے مراد بھی صرف آپ ہوئے کیونکہ یہ دعا دونوں صاحبوں نے کی ہے اور یہاں وہی جماعت مراد ہو سکتی ہے جو دونوں کی اولاد میں ہو اور پیغمبر کے ذکر میں کہا گیا ہے کہ وہ اس جماعت میں سے ہوں تو وہ جماعت نبی اسماعیل ہوئی اور پیغمبر آپ ﷺ ہوئے۔

ربط: اوپر کی آیتوں سے ضمناً ملت ابراہیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہبی طریقہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسلام اور اطاعت حق ہے جیسا کہ وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ میں تصریح ہے اس پر وہ خود بھی کاربند تھے اور اسی کی انہوں نے اپنی اولاد کو وصیت کی اور ان کے پوتے یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو بھی اسی کی وصیت کی۔ اس طریقے کا حاصل یہ ہے کہ احکام الٰہیہ کی اطاعت کی جائے اب جس زمانہ کے لئے جو حکم ہو۔ چونکہ نقلی دلائل یعنی کتب سابقہ کی تصریحات اور عقلی دلائل سب سے رسول اللہ ﷺ کی رسالت ثابت ہے لہذا اب حکم الٰہی کی اطاعت یہی ہے کہ آپ کا اتباع کیا جائے۔ جب دلائل کے باوجود آپ کا اتباع اختیار نہ کیا تو ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کا ترک لازم آیا جو کہ سراسر بے عقلی ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ
اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ
وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ
قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ
وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ ؕ

ترجمہ: اورنہیں کوئی روگردانی کرتا ابراہیم کے مذہب سے مگر وہی جس نے احمق بنایا اپنے آپ کو۔ اور بیشک منتخب کیا ہم نے اس کو دنیا میں اور وہ ہے آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں سے، (یاد کرو) جب کہا اس کو اس کے رب نے کہ فرمانبرداری کر تو بولا کہ میں فرمانبردار ہوں تمام عالم کے پروردگار کا، اور وصیت کی اسی کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے بھی کہ اے میرے بیٹو بیشک اللہ نے منتخب کیا ہے تمہارے لئے دین سوتم ہرگز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔

تفسیر: (اورملت ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا جو) اپنی ذات ہی سے احمق ہو کہ (اپنے آپ کو احمق بنائے اور) ایسی ملت کے تارک کو کیونکر احمق نہ کہا جائے جس کی یہ شان ہو کہ اسی کی بدولت (ہم نے ان) ابراہیم علیہ السلام (کو) عہدہ رسالت کے لئے (دنیا میں منتخب کیا اور) اسی کی بدولت (وہ آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں) جن کے لئے سب ہی کچھ ہے۔ اور عہدہ رسالت کے لئے ان کا انتخاب اس وقت ہوا تھا (جب ان سے ان کے پروردگار نے) بطور الہام کے (فرمایا کہ تم) حق تعالیٰ کی (اطاعت اختیار کرو، انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی رب العالمین کی) پس اسی اطاعت کے اختیار کرنے پر ہم نے ان کو شرف نبوت دیدیا خواہ اسی وقت یا کچھ وقت کے بعد (اور اسی) مذکور ملت پر قائم رہنے (کا حکم کر گئے ہیں ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹوں کو اور) اور اسی طرح (یعقوب علیہ السلام بھی) اپنے بیٹوں کو وصیت کر گئے ہیں جس کا یہ مضمون تھا کہ (میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے اس دین) اسلام و اطاعت حق (کو تمہارے لئے منتخب فرمایا ہے، سوتم) دم مرگ تک اس کو مت چھوڑنا اور (بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا)۔

ربط: آگے بتاتے ہیں کہ اے بنی اسرائیل یعقوب علیہ السلام جن کی نسل سے تم ہو جب انہوں نے اپنی اولاد کو ملت ابراہیمی کی وصیت کی تو ان کی اولاد نے یعنی تمہارے بڑوں نے اس ملت پر قائم رہنے کا عہد کیا تھا یہودیت یا نصرانیت پر قائم رہنے کی نہ وصیت تھی نہ عہد تھا۔

أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ
الْمَوْتُ ۙ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي ۖ قَالُوا نَعْبُدُ
إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا
وَاحِدًا ۖ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٣﴾

ترجمہ: کیا تم تھے موجود جس وقت قریب آئی یعقوب کے موت جب کہا انہوں نے اپنے بیٹوں کو کس کی تم عبادت کرو گے میرے بعد بولے ہم بندگی کریں گے تیرے معبود کی اور تیرے باپ دادوں ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی یعنی ایک معبود کی اور ہم سب اسی کے فرمانبردار ہیں (اور رہیں گے)۔

تفسیر: (کیا) تم لوگ کسی معتبر صحیح نقل سے مذکورہ دعویٰ کرتے ہو یا (تم خود) اس وقت (موجود تھے جس وقت یعقوب) علیہ السلام (کا آخری وقت آیا) اور (جس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے) تجدید معاہدہ کے طور پر (پوچھا کہ تم لوگ میرے) مرنے کے (بعد کس کی پرستش کرو گے، انہوں نے) بالاتفاق (جواب دیا کہ ہم اس) ذات پاک (کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے بزرگ) حضرات (ابراہیم و اسماعیل و اسحاق) علیہم السلام (پرستش کرتے آئے ہیں، یعنی وہی معبود جو وحدہ لاشریک ہے اور ہم) احکام میں (اسی کی اطاعت پر) قائم (رہیں گے)۔

کسی منقول بات کے دعوے کی صحت دو ہی طریقوں سے ہوسکتی ہے یا نقل صحیح سے یا اپنے مشاہدہ سے۔ یہاں یعنی یہود و نصاریٰ کے اس دعوے میں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے مرتے دم تک یہودیت یا نصرانیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی صحت دعویٰ کے ثبوت کے یہ دونوں طریقے مفقود ہیں تو دعوی محض بلا دلیل ہے۔ بلکہ یہ دعوی تو عقلی اور نقلی دلیل کے بھی خلاف ہے۔ عقلی دلیل کے خلاف تو اس وجہ سے کہ یہودیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت سے اور نصرانیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت سے شروع ہوئیں جبکہ حضرات ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام وغیرہ ان دونوں رسولوں سے بہت زمانہ پہلے گذرے ہیں۔ نقلی دلیل کے خلاف اس لئے کہ قرآن جو کہ سچا ہے اس کے خلاف ہے۔

یہاں اگر کسی کو شبہ ہو کہ اسی طرح اسلام بھی تو رسول اللہ ﷺ کے وقت سے شروع ہوا ہے اور آپ حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام سے بہت بعد میں ہوئے تو پھر اسلام ان حضرات کی ملت کب ہوسکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اوپر اسلام کا جو معنی بتایا گیا ہے یعنی اطاعت حق اس سے تمام انبیاء علیہم السلام کا ملت اسلام پر ہونا ظاہر ہے۔ اس کے برخلاف یہودیت اور نصرانیت تو دین کی خاص شکل ہے اور تورات اور انجیل کے مذہب کا نام ہے۔ اور اگر اس یہودیت و نصرانیت کا اعتبار کریں تو اس میں بہت کچھ تحریف ہو چکی اور اطاعت حق سے بہت دور جا پڑی۔

ربط: اوپر یہ بتا کر کہ بنی اسرائیل کے بد ہو جانے پر ملت ابراہیمی پر قائم رہنے کا عہد کیا تھا آگے یہ ضابطہ بتاتے ہیں کہ پہلوں کے عمل ان کے ساتھ ہیں پچھلوں کے عمل ان کے ساتھ ہیں اور ہر

ایک اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٤﴾

ترجمہ: وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور نہیں تم پوچھے جاؤ گے ان (اعمال) کے بارے میں جو وہ کرتے تھے۔

تفسیر: (وہ) ان بزرگوں کی (ایک جماعت تھی جو) اپنے زمانہ میں (گزر چکی، ان کے کام ان کا کیا ہوا آئے گا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آئے گا۔ اور تم سے ان کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی تو نہ ہوگی) اور نہ ہی تم سے انکے اعمال کا تذکرہ ہوگا، رہا ان سے تم کو نفع پہنچنا یہ تو بڑی دور کی بات ہے،

مقبول لوگوں کے ساتھ نسبت کا نافع نہ ہونا اس شخص کے لئے ہے جو عقائد قطعیہ میں ان مقبولین کا مخالف ہو گو طبعًا ان حضرات سے محبت بھی رکھتا ہو اور یہود و نصاری ایسے ہی تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت جو عقائد قطعیہ سے ہے اور سابق رسول اس کی خبر دیتے آئے ہیں اور تورات و انجیل میں اس کا کھلا ذکر ہے یہ لوگ اسی میں مخالف تھے۔

ربط: اوپر یہ بات واضح ہوئی کہ اصل معیار ملت ابراہیمی یعنی اتباع حق ہے جو ہر رسول کے دور میں اس کی شریعت کے اتباع میں منحصر ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں ان کی شریعت میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں ان کی شریعت میں اور اب حضرت محمد ﷺ کے دور میں ان کی شریعت میں اور اب حضرت محمد ﷺ کے دور میں ان کی شریعت میں۔ لہٰذا اب حضرت محمد ﷺ کے دور رسالت میں منسوخ یہودیت و عیسائیت پر اصرار کرنا اور ان کی دعوت دینا ملت ابراہیمی نہیں ہے جب کہ اصل چیز ملت ابراہیمی یعنی اتباع حق ہے۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٣٥﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ ہو جاؤ یہودی یا نصرانی تو تم ہدایت پا لو گے۔ کہہ دے کہ (ہر گز نہیں) بلکہ (ہم نے اختیار کی) راہ ابراہیم کی جو ایک ہی طرف کا تھا اور نہ تھا شرک کرنے والوں میں۔

تفسیر: (اور یہ) یہودی ونصرانی (لوگ) مسلمانوں سے (کہتے ہیں کہ تم لوگ یہودی ہو جاؤ) یہ تو یہود نے کہا تھا (یا نصرانی ہو جاؤ) یہ نصاریٰ نے کہا تھا (تم بھی راہ) حق (پر پڑ جاؤ گے) اے محمد ﷺ (آپ) جواب میں (کہہ دیجئے کہ ہم تو) یہودی یا نصرانی کبھی نہ ہوں گے، (بلکہ ابراہیم) علیہ اسلام (کی ملت) یعنی اسلام (پر رہیں گے جو ایک) اللہ کی (طرف کے ہو رہے تھے اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے)۔

فائدہ : 1- اس آخری جملہ سے یہ مقصود ہے کہ علاوہ منسوخ ہونے کے یہودیت ونصرانیت میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اس میں شرک کی آمیزش ہوگئی ہے جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام موحد خالص تھے۔ اس لئے بھی یہودیت ونصرانیت اختیار کرنے کے قابل نہیں رہی۔

2- اگر کسی کو شبہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ کو تو مستقل شریعت دی گئی پھر آپ کے ملت ابراہیمی پر ہونے کا کیا معنی۔ اور اس سے بڑھ کر بعض آیات میں جو آپ کو ملت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کا حکم ہے تو اس کا کیا معنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ملت ابراہیم علیہ السلام کی تفسیر اوپر گزر چکی ہے کہ اتباع حق ہے جو کہ تمام انبیاء علیہم السلام میں مشترک ملت ہے۔ البتہ ہر زمانے کی شریعت میں اتباع حق کی خصوصیات بدلتی رہیں حتیٰ کہ اب اتباع حق شریعت محمدیہ ﷺ میں آ کر منحصر ہو گیا۔ پس ملت ابراہیم علیہ السلام ایک لقب ہے شریعت محمدیہ کا۔ لہذا یہ کہنا کہ ہم ملت ابراہیم پر رہیں گے یا یہ کہنا کہ تم ملت ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کرو اس کا ہم معنی ہے کہ کہا جائے کہ ہم شریعت محمدیہ پر رہیں گے اور تم شریعت محمدیہ کا اتباع کرو۔

ربط: آگے حضرت محمد ﷺ کے دور رسالت میں ملت ابراہیم علیہ السلام کی صورت کا حاصل ذکر کرتے ہیں۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ
اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ
وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ
رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

ترجمہ: تم کہہ دو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو اتارا گیا ہم پر اور جو اتارا گیا ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور (اس کی) اولاد پر اور جو دیا گیا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو دیا گیا دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے۔ نہیں فرق کرتے ہم کسی

ایک میں ان سب میں سے اور ہم اسی (پروردگار) کے فرمانبردار ہیں۔

تفسیر: اے مسلمانو! یہود و نصاریٰ کے جواب میں جو تم نے اجمالاً کہا ہے کہ ہم ملت ابراہیمی پر رہیں گے، اس ملت کی تفصیل بیان کرنے کے لئے (کہہ دو کہ) اس ملت پر رہنے کا حاصل یہ ہے کہ (ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس) حکم (پر بھی جو ہمارے پاس) رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے (بھیجا گیا) خواہ کتابی وحی سے یا غیر کتابی وحی سے (اور اس) حکم (پر بھی جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب) علیہم السلام (اور اولاد یعقوب) میں جو نبی گزرے ہیں ان (کی طرف) بواسطہ وحی کے (بھیجا گیا اور اس) حکم اور معجزہ (پر بھی جو حضرت موسیٰ) علیہ السلام (اور حضرت عیسیٰ) علیہ السلام (کو دیا گیا اور اس پر بھی جو کچھ اور انبیاء) علیہم السلام (کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے) سو ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان بھی (اس کیفیت سے کہ ہم ان) حضرات (میں سے کسی ایک میں بھی) دوسرے سے ایمان لانے میں (تفریق نہیں کرتے) کہ کسی پر ایمان رکھیں کسی پر نہ رکھیں (اور ہم تو اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں) انہوں نے ہم کو یہ دین بتایا ہم نے اختیار کر لیا پس یہ حاصل ہے اس ملت کا جس پر ہم قائم ہیں، جس میں کسی کو اصلاً انکار و سرتابی کی گنجائش نہیں۔

مضمون کا حاصل یہ ہے کہ اصل اتباع حق تو یہ ہے کہ ہم سب انبیاء کو مانتے ہیں سب کتابوں کو سچا جانتے ہیں سب کے معجزات کو حق پہنچاتے ہیں گو بہت سے احکام کے منسوخ ہونے کی وجہ سے عمل صرف شریعت محمدیہ پر کرتے ہیں جو خود مستقل اور مکمل ہے لیکن انکار و تکذیب کسی کی نہیں کرتے بخلاف یہودیت و نصرانیت کے کہ منسوخ ہونے کے علاوہ تحریف کی وجہ سے اب اس میں کسی کی تصدیق ہے اور کسی کی تکذیب ہے۔

ربط: جب ثابت ہو چکا کہ اب جب کہ ملت ابراہیمی رسول اللہ ﷺ کی شریعت کی اتباع میں منحصر ہے تو ہدایت بھی اسی میں ہے یہودیت و نصرانیت میں نہیں ہے لہٰذا فرماتے ہیں۔

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣٧﴾

ترجمہ: سو اگر وہ (بھی) ایمان لے آئیں اس طرح سے جس طرح پر تم ایمان لائے ہو اس (رسول) پر تو ہدایت پا لیں گے وہ بھی۔ اور اگر روگردانی کریں تو پھر وہی ہیں مخالفت پر۔ سو اب کافی ہے تیری طرف سے ان کو اللہ اور وہی ہے سننے والا جاننے والا۔

تفسیر: یعنی جب اوپر طریق اسلام میں ملت ابراہیمی اور دین حق کا منحصر ہونا ثابت ہو چکا (سو

اگر وہ) یہود و نصاریٰ (بھی اسی طریق سے ایمان لے آئیں جس طریق سے تم) اہل اسلام ان) رسول پر (ایمان لائے ہو تب تو وہ بھی راہ) حق (پر لگ جائیں گے، اور اگر وہ) اس سے (روگردانی کریں تو) تم ان کی روگردانی سے کچھ تعجب نہ کرو کیونکہ (وہ لوگ تو) ہمیشہ سے (برسر مخالفت ہیں ہی) اور اگر ان کی مخالفت سے کچھ اندیشہ ہو (تو) سمجھ لیجئے کہ (آپ کی طرف سے عنقریب اللہ تعالیٰ ہی ان سے نمٹ لیں گے ان سے اللہ تعالیٰ۔ اور اللہ تعالیٰ) تمہاری اور ان کی باتیں (سنتے ہیں) اور تمہارے اور ان کے سلوک (جانتے ہیں) تمہیں فکر وغم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں یہود و نصاری اور سب کفار کو مغلوب کر دیا جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے۔

ربط : اس دور میں حضرت محمد ﷺ کا لایا ہوا دین حق ہی ملت ابراہیمی کا صحیح مصداق ہے۔ دین حق کا لقب اوپر ملت ابراہیم ذکر ہوا۔ اس میں اضافت ونسبت ایک نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہے۔ آگے اس کا مزید شرف ظاہر کرنے کے لئے اس کی اضافت ونسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی جاتی ہے۔ اور دین کا حقیقی مضاف الیہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں نبی کی طرف نسبت تو ان کے مبلغ ہونے کی وجہ سے مجازا کی جاتی ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۖ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

ترجمہ: (ہم نے قبول کر لیا) رنگ اللہ کا اور کون زیادہ بہتر ہے اللہ سے رنگ میں اور ہم اسی کی غلامی کرتے ہیں۔

تفسیر: اے مسلمانو! کہہ دو کہ ہم نے جو اوپر تم لوگوں کے جواب میں کہا ہے کہ ہم ملت ابراہیم پر رہیں گے اس کلام کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی صورت میں ہم نے اللہ کا رنگ یعنی دین حق کو اختیار کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے رنگ کی طرح دین حق کو ہمارے رگ وریشہ میں بھر دیا ہے (اور) دوسرا (کون ہے جس کا رنگ) یعنی دین (اللہ تعالیٰ) کے رنگ اور دین (سے خوب تر ہو)۔ جب اور کوئی دوسرا ایسا نہیں تو ہم نے اور کسی کا دین بھی اختیار نہیں کیا (اور) اس لئے (ہم اسی) اللہ (کی غلامی اختیار کئے ہوئے ہیں)۔

ربط : اوپر کی آیتوں میں یہود و نصاری پر پورے طور پر حجت قائم ہو چکی پھر بھی وہ لوگ محض ڈھٹائی سے بلا دلیل یہی دعویٰ کئے جاتے تھے کہ مسلمان باطل پر ہیں آخرت میں ان کی نجات نہ ہوگی اور اپنے بارے میں یہ کہتے تھے کہ ہم حق پر ہیں کیونکہ جس طریقے پر ہم ہیں یہ سب انبیاء بھی اسی طریقے پر تھے اس لئے اب دوسرے طرز سے جواب دیتے ہیں۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَ
لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝۱۳۹ اَمْ تَقُوْلُوْنَ
اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ
كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ
اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ
عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۴۰

ترجمہ: کہہ دے کیا تم جھگڑا کرتے ہو ہم سے اللہ کی نسبت حالانکہ وہی ہے ہمارا رب اور تمہارا رب اور ہمارے لئے ہیں ہمارے عمل اور تمہارے لئے ہیں تمہارے عمل اور ہم تو صرف اسی کیلئے (دین کو) خالص کرنے والے ہیں۔ کیا تم کہے جاتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور (اس کی) اولاد تو یہودی تھے یا نصرانی، کہہ دے کہ کیا تم زیادہ باخبر ہو یا اللہ، اور کون بڑا ظالم ہوگا اس سے جس نے چھپائی (وہ) گواہی جو تھی اس کے پاس اللہ کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے۔

تفسیر: (آپ) ان یہود و نصاریٰ سے (فرما دیجئے کہ کیا تم لوگ) اب بھی (ہم سے جھگڑا کئے جاتے ہو حق تعالیٰ کے معاملہ میں) کہ وہ ہم کو قیامت میں نہ بخشیں گے خاص تمہیں ہی بخشیں گے تو یہ بات باطل ہے کیونکہ (حال یہ ہے کہ وہ ہمارا اور تمہارا) سب کا (رب ہے)۔ اور رب وہ ہوتا ہے جو صحیح استعداد رکھنے والوں کو درجہ بدرجہ کمال تک لے جائے اور جسمانی و روحانی کمال جنت میں پہنچ کر حاصل ہوگا لہٰذا رب وہ ہے جو استعداد والوں کو جنت میں لے جائے۔ (ہم کو ہمارا کیا ہوا ملے گا) یعنی ان سے ہماری استعداد بنے گی اور اس کے موافق جزا ہوگی۔ اور تم کو تمہارا کیا ہوا ملے گا) یعنی تمہاری استعداد بنے گی اور اس کے موافق جزا ہوگی۔ (اور) اللہ تعالیٰ کا شکر ہے ہمیں اطمینان ہے کہ ہماری استعداد صحیح ہے کیوں کہ (ہم نے صرف حق تعالیٰ) کی خوشنودی (کے لئے اپنے) دین (کو) شرک وغیرہ سے (خالص کر رکھا ہے)۔ اس کے برخلاف تمہاری خرابیاں اوپر تفصیل سے ذکر ہو چکی ہیں۔ تو اس اعتبار سے تو ہم دونوں یکساں ہیں کہ وہ جیسے تمہارا رب ہے ہمارا بھی ہے اور اس کی ربوبیت ہم سب کے لیے عام ہے۔ البتہ کمال تک پہنچنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے ایمان و اعمال سے (اور) ظاہر ہے کہ (یا) اب بھی اپنے حق

پر ہونے کے ثابت کرنے کو یہی (کہے جاتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب) میں جو انبیاء گزرے ہیں یہ سب حضرات (یہود یا نصاریٰ تھے) اور اس سے اس واسطہ سے کہ تم لوگ بھی یہود و نصاریٰ ہو اپنا حق پر ہونا ثابت کرتے ہو، سو اس کے جواب میں (اے محمد ﷺ) ایک اتنی مختصر سی بات ان سے (کہہ دیجئے کہ) اچھا یہ بتاؤ کہ (تم زیادہ واقف ہو یا حق تعالیٰ) اور ظاہر ہے کہ خدا ہی زیادہ واقف ہے اور وہ ان انبیاء کا ملت ابراہیمی اور دین حق پر ہونا ثابت کر چکا ہے، جیسا ابھی اوپر گذر چکا ہے (اور) یہ کافر بھی اس کو جانتے ہیں مگر چھپاتے ہیں سو (ایسے شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو ایسی شہادت کو چھپائے جو اس کے پاس منجانب اللہ) پہنچی (ہو اور) اے اہل کتاب (اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے سے بے خبر نہیں ہیں) پس جب یہ حضرات یہود و نصاریٰ نہ تھے سو تم طریق دین میں ان کے موافق کب ہوئے پھر تمہارا حق پر ہونا ثابت نہ ہوا۔

ربط : یہود و نصاریٰ کے ملت اسلام سے خارج ہونے اور ان کے عنداللہ غیر مقبول ہونے کے باوجود ان لوگوں کے اس فخر و زعم کا کہ انبیاء کے ساتھ ان کی نسبت آخرت کی نجات کے لئے کافی ہے جواب دینے کے لئے آیت تِلْكَ اُمَّةٌ پہلے بھی ارشاد فرمائی گئی تھی۔ لیکن چونکہ وہ اپنے زعم باطل پر مصر تھے اور اپنی بات کی تکرار کئے جاتے تھے اس لئے آخری جواب کے طور پر اسی آیت کو تاکید کے طور پر دوبارہ لائے۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ

وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾

ترجمہ: وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی، ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے کچھ پوچھ نہیں ہوگی ان کے کاموں کی۔

تفسیر: (وہ) ان بزرگوں کی (ایک جماعت تھی جو) اپنے زمانے میں گذر گئی، ان کے کام ان کا کیا ہوا آئے گا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آئے گا اور تم سے ان کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی تو نہ ہو گی) اور جب خالی تذکرہ بھی نہ ہوگا تو اس سے تم کو کچھ نفع پہنچنا تو ایک طرف رہا۔